غواصی

شخصیت اور فن



محمد علی اثر



قیمت

غواصی

شخصیت اور فن

محمد علی اثر ایم-اے
ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی۔

به اعانت اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش حیدرآباد

سرورق .... قیصر سرمست
اشاعت .... اگست ۱۹۷۷ء
کتابت .... سیّد منظور محی الدین کلیانوی
طباعت .... اکسل فائن آرٹ لیتھو اینڈ آفسٹ ورکس
محبوب چوک، حیدرآباد 500002
قیمت .... بارہ روپے (12/00)

ملنے کے پتے

مکتبۂ شعر و حکمت : 865-6-11 الکڑی کاپل حیدرآباد 500004
شالیمار پبلیکیشنز : نیا ملک پیٹ حیدرآباد 500036
بکڈپو اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش : سیف آباد حیدرآباد 500004
مصنف : "کاشانۂ اثر" 9/226-4-20 محبوب چوک حیدرآباد 500002
انجمن ترقی اردو ہند : اُردو گھر راوز ایونیو نئی دہلی 110002
مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ : جامعہ نگر نئی دہلی 110025
ایجوکیشنل بک ہاوز : مسلم یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ 202001

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے۔

مصنف کے بارے میں

نام.......... محمدؐ علی اثر

تعلیم.......... ام-اے، گولڈ میڈلسٹ (عثمانیہ)

مشغلہ........ تحقیق وتنقید

قیام....... "کاشانۂ اثر" 9/226-4-20
محبوب چوک حیدرآباد 500002

▲

ترتیب

صفحہ

تعارف: ڈاکٹر غلام عمر خاں ۷

پیش لفظ ۱۳

باب اول۔ سماجی اور ادبی پس منظر ــــــــــ ۱۷

باب دوم۔ حالاتِ زندگی۔ ــــــــــ ۳۶

غواصی کی خواہش

غواصی کی کنیت

غواصی کا سلسلۂ بیعت

قلمی کلیات

باب سوم۔ غواصی کی مثنویاں ــــــــــ ۷۲

دکن میں مثنوی نگاری کا پس منظر

۱۔ مینا ستونتی ــــــــــ ۷۷

قصے کا ماخذ

قصے کا خلاصہ

ادبی جائزہ

۲۔ سیف الملوک وبدیع الجمال ــــــــــ ۸۴

قصے کا ماخذ

قصے کا خلاصہ

ادبی جائزہ

۳۔ طوطی نامہ ــــــــــ ۹۶

قصے کا ماخذ

قصے کا خلاصہ

ادبی جائزہ

باب چہارم۔ غواصی کا تغزل —————— ١٠٥

دکنی شاعری میں غزل کا پس منظر
مشتاق۔ لطفی۔ فیروز۔ محمود۔
خیالی۔ احمد۔ محمد قلی۔ وجہی
غواصی کا تغزل۔

باب پنجم۔ غواصی کے قصائد اور رباعیاں —————— ١٢٨

دکن میں قصیدہ نگاری کا پس منظر
وجہی۔ نصرتی۔ غواصی۔
غواصی کی رباعیاں
اخلاق و حکمت
فلسفہ اور تصوف
حسن و عشق

باب ششم۔ قدیم اردو شاعری میں غواصی کا مقام —————— ١٤٦

انتخاب کلام

غزل —————— ١٦٣
ریختی —————— ٢٠٧
قصیدہ —————— ٢١١
رباعی —————— ٢٢٧

کتابیات —————— ٢٢٩

تعارف

از

ڈاکٹر غلام عمر خاں

اُستادِ قدیم اُردو و اقبالیات، شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

پیشِ نظر کتاب مقالہ ہے محمد علی صاحب اثر کا جو انہوں نے شعبۂ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی میں ام۔اے کی تعلیم کے دوران لکھا تھا اور جسے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ اب کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ محمد علی اثر نے تین سال قبل اُردو سے ام۔اے کیا اور امتحان میں شریک ہونے والے سارے امیدواروں میں اول آئے۔ انہیں یونیورسٹی کی طرف سے ایک سے زاید طلائی تمغوں کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔ میں ابتدا اِن کے ذوقِ شاعری سے متاثر ہوا۔ موجودہ دور میں جبکہ بساطِ شاعری کے تازہ وارد بالعموم اُردو شاعری کی مُبادیات سے آگاہی حاصل کئے بغیر میدان میں کود پڑتے ہیں، محمد علی اثر نے اُردو کے کلاسیکی شعراء کا توجہ سے مطالعہ کیا ہے اور ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ سلیقہ کا شعر کہتے ہیں، کبھی کبھی ایک آدھ شعر ایسا بھی کہہ جاتے ہیں جو یاد رہ جاتا ہے۔ گذشتہ دہے میں شعبۂ اُردو کے جن نوجوانوں نے، خوش ذوقی اور سنجیدگی کے ساتھ شعر گوئی پر توجہ کی ہے اُن میں مقبول فاروقی کے بعد محمد علی اثر نمایاں ہیں۔ قدیم دکنی شاعری سے بھی انہیں ام۔اے کے زمانۂ تعلیم سے دلچسپی رہی ہے۔ اِسی مناسبت سے میں نے

ان کے مقالہ کے لیئے دکنی کے عظیم شاعر غواصی کی حیات اور کارناموں کا موضوع تجویز کیا تھا۔ پھر جب انہیں پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ ملا تو ان کے اسی ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے، دکنی میں غزل کا نشو و نما کا موضوع ان کے لیئے تجویز کیا گیا۔ گذشتہ دو سال سے وہ دکنی شاعری کے تاریک گوشوں کی چھان بین میں منہمک ہیں اور وقتاً فوقتاً معروف اور گمنام شعراء کی گم شدہ غزلوں کی دریافت کرکے، میری معلومات میں بھی اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

قدیم دکنی شعر و ادب کے سرمایہ کی بازیافت، گذشتہ چار پانچ دہوں کی بات ہے۔ ڈاکٹر زور، مولوی عبدالحق، پروفیسر سروری اور مولوی نصیرالدین ہاشمی کی مساعی کی بدولت، دکنی ادبیات کے چند منتخب نمونے پہلی مرتبہ منظر عام پر آئے اور اردو ادب کی تاریخ میں ایک مستقل دور کی نشان دہی کی گئی، جو تین سو سال کے عرصہ پر پھیلا ہوا تھا۔ یہ اردو زبان کی تاریخ کا ایک عصر آفریں واقعہ تھا۔ لیکن تحقیق کی ان اولین کاوشوں کے نتیجہ میں، دکنی ادب کی جو کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں ان میں فطری طور پر بعض خامیاں، بعد کو محسوس کی گئیں۔ دو چار مستثنیات سے قطع نظر، دکنی ادب کی ساری مطبوعات، متن کی صحت کے اعتبار سے حد درجہ ناقص ہیں۔ صف اوّل کے محققین نے، اہل اردو کو اپنے قدیم ورثہ سے روشناس ضرور کیا، لیکن قدیم ادب کے متون کی عدم صحت، ان ادب پاروں کی تحسین میں بڑی رکاوٹ بنی رہی۔ چنانچہ آج بھی دکنی ادب کے شہ پاروں کی ادبی قدر و قیمت سے، اردو کا تعلیم یافتہ طبقہ محض نا آشنا ہے۔ قدیم زبان، متروک الفاظ پھر متن میں ہر قدم پر غلطیاں ـــ قدیم زبان کا طالب علم بھی، جو ان تصانیف کا مطالعہ کرنے پر مجبور رہے، انہیں ایک متبرک چیستاں سمجھ کر دامن بچا کر آگے بڑھ جانے کی

کوشش کرتا ہے' یہی سبب تھا کہ قدیم شعرا کی تخلیقات کی ادبی حیثیت کا اندازہ لگانا برسہا برس تک ناممکن بنا رہا۔ دکنی ادب کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے' مرحوم پروفیسر رشید احمد صدیقی نے ایک بار مجھ سے سوال کیا تھا کہ قدیم شاعری کے نمونوں کی تاریخی اہمیت تو مسلّم ہے' یہ بتایئے کیا ادبی اور علمی اعتبار سے بھی وہ کسی اہمیت کے مستحق ہیں یہ ایک ایسا سوال ہے' جو خلوص اور دیانت داری کے ساتھ' اردو کے ایک صاحب نظر نقاد کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جب وہ قدیم دکنی کے ادب پاروں کو' ہمارے مرتبین کے پیش کردہ روپ میں دیکھتا ہے۔

قدیم اردو پر تحقیقاتی کام کے دوسرے مرحلے کا آغاز' آج سے کوئی پندرہ سال قبل ہوا' جبکہ عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں' قدیم ادب کی منتخب تخلیقات کے متون کو' متنی تنقید کے سائنسی اصولوں کی روشنی میں' صحت کے ساتھ پیش کرنے کی مساعی کا آغاز ہوا۔ شعبۂ اردو کے تحقیقاتی مجلّہ "قدیم اردو" کے ابتدائی دو تین شماروں میں' منتخب ادب پاروں کے صحیح متن کا تعین کرنے کے لئے' متعدد مخطوطوں کے متون کا باہمی مقابلہ کر کے' اصلی متن تک پہنچنے کا اصول اختیار کیا گیا ہے۔ ملک کے علمی اور تحقیقاتی حلقوں میں' ان مساعی کی بڑی قدر ہوئی۔ چنانچہ "قدیم اردو" کے اولین دو شمارے' متنی تنقید کے عملی نمونوں کی حیثیت سے مستند درجہ حاصل کر گئے ہیں اور ملک کی متعدد جامعات میں' بی' اے۔ ڈی اور ڈی۔ لٹ کے نصاب میں شامل ہیں۔

دکنی ادب کے ذخیرہ میں' جو ہزاروں مخطوطات پر مشتمل ہے' ادبی نقطۂ نظر سے ہر قسم کی تحریریں ملتی ہیں؛ وہ تصانیف جو ٹھیٹ مذہبی اور دینیاتی موضوعات پر ہیں' ادبی اعتبار سے اہمیت کی حامل نہیں ہیں لیکن سترھویں صدی کے ادبی

سرمایہ میں، ایسی تخلیقات کی کمی نہیں، جو شاعری اور حسن کاری کے نقطۂ نظر سے گنج ہائے گراں مایہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ غواصی کا دیوان اور اس کی مثنویاں دکنی ادبیات کا نہایت بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ غواصی قدیم اردو کا عظیم المرتبت شاعر ہے۔ مثنوی نگاری اور غزل گوئی میں، قدیم اردو کا کوئی شاعر اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ عام قاری کے لیے، زبان کی قدامت، غواصی کے کلام سے لطف اندوز ہونے میں حائل ہے۔ ورنہ جہاں تک صنفِ غزل کا تعلق ہے تغزل و سرمستی، جذبات کا سوز و گداز، زبان و بیان کی بے ساختگی اور لطافت و شگفتگی، بحروں کا ترنم، اشعار کی نغمگی اور موسیقیت، یہ وہ خصوصیات ہیں، جہاں غواصی عہد حاضر کے مقبول متغزلین حسرت اور جگر کے مقابلے میں بھی، منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس کی بعض غزلیں، جو علوے جذبات" بلند آہنگی، کیف و مستی، سرخوشی و سرشادی، اور شعور ذات کی رفیع جمالیاتی کیفیات کی عکاسی کرتی ہیں، غالبؔ، حافظؔ اور خسروؔ کی اسی رنگ و آہنگ کی غزلوں کی ہم پایہ ہیں۔

غواصی کی مثنویاں، اس صنف سخن میں، اس کی سادگی و پرکاری کے بے مثال نمونے ہیں۔ مثنوی سولھویں اور سترھویں صدی میں دکنی ادب کی مقبول ترین صنف تھی۔ چھوٹی بڑی مثنویاں جو اس دور میں لکھی گئیں، ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اور ان میں متعدد مثنویاں فنکاری کا ایسا معیار پیش کرتی ہیں۔ جو بعد کے ادوار میں بہ مشکل برقرار رہ سکا ہے۔ غواصی کی تینوں مثنویاں تو صف اول کی چیز ہیں، نسبتاً اوسط درجہ کے ایک شاعر فائز کی مثنوی" رضوان شاہ و روح افزا" کے تعلق سے ایک واقعہ کا ذکر بے موقع نہ ہوگا۔

ماسکو کے ایک مستشرق وی-ال- کراشنی نکوف، جو اردو اور انڈالوجی کے محقق تھے، جامعہ عثمانیہ میں، روسی زبان کے پہلے پروفیسر کی حیثیت سے تین سال (۱۹۵۷-۶۰ء) حیدرآباد میں مقیم رہے- وہ پریم چند کی گئودان کے مشہور مترجم، روس سے شائع ہونے والے اردو میگزین "سوویٹ یونین" کے ایڈیٹر اور اُردو کی متعدد کتابوں کے مترجم اور مولف تھے- عثمانیہ یونیورسٹی میں قیام کے دوران، وہ میری مدد سے، اردو زبان و ادب کے مختلف گوشوں کا، بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے رہے- اس دوران میں، میں نے انہیں دکنی ادب کے بعض اہم کارناموں سے بھی روشناس کیا- اور دکنی کی ایک نسبتاً آسان مثنوی "رضوان شاہ" جو قطب شاہی دور کے آخری زمانے کی تصنیف ہے، انہیں پڑھائی- مطالعہ کے دوران پروفیسر کراشنی نکوف نے، ایک سے زائد بار اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا، کہ مجھے یہ مثنوی، میر حسن کی مثنوی کے مقابلے میں زیادہ حسین اور دلکش معلوم ہوتی ہے-

انگریزی اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں، قدیم زبان و ادب کو جو وقعت اور اہمیت حاصل ہے، اردو میں یہ مقام، قدیم اُردو کے سرمایہ کو ہنوز حاصل نہیں ہو سکا ہے- شاید اس کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ دکنی ادبیات عرصہ تک بعض نادان دوستوں کی مشقِ ستم کا نشانہ بنی رہی ہیں- دکنی کے صفِ اول کے چند محققین کے بعد، اس میدان میں بعض ایسے شہہ سوار اترائے، جو قدیم زبان پر محققانہ نظر رکھتے تھے، اور نہ ذوقِ شعری اور ذوقِ لطیف سے بہرہ مند تھے- دکنی کے چند گوشوں کی چھان بین انہوں نے ضرور کی، لیکن اس گوشۂ ادب سے ہٹ کر، عام ادبی اور تنقیدی بصیرت ان میں مفقود تھی- دکنی ادب کے ان پرستاروں نے قدیم اردو کے پختہ کار شاعروں اور فنکاروں کو متعارف کروانے کی ذمہ داری قبول کر کے، اہلِ نظر کی نگاہوں میں، ان کی بے وقعتی اور بے آبروئی کا سامان کیا ہے- یہی سبب تھا کہ اُردو کے

صاحب نظر طبقہ کے نزدیک، قدیم شعر و ادب کا سرمایہ اردو کا ایک فضول اور از کار رفتہ شعبہ بن رہا۔

غواصی کا مطالعہ کرتا ہوں، اور اس کی شاعرانہ حسن کاری کی شگفتہ و رنگین دنیا میں کھو جاتا ہوں، جس میں ابدی حسن کی تازگی ہے، تو کبھی پروفیسر رشید احمد صدیقی کا پر خلوص سوال یاد آجاتا ہے ــــ اور اقبال کا یہ شعر ذہن میں اُبھرنے لگتا ہے ؎

آشنائے من ز من بیگانہ رفت　　از خمستانم تہی پیمانہ رفت

موجودہ دور میں دکنی ادب کے شہ پاروں کی خاطر خواہ تحسین، اور ان کی تدوین و پیش کشی کے لیے، ضروری ہے کہ ایک طرف تو دکنی کا محقق اور نقاد، شعر و ادب کے اعلیٰ ذوق کا حامل ہو اور کچھ نہیں تو کم از کم اردو شاعری اور ادب کے موجودہ اور کلاسیکی سرمایہ پر بالغ نظر رکھتا ہو، دوسری طرف قدیم زبان پر بھی ماہرانہ عبور اسے حاصل ہو، تاکہ متن کی ترتیب و تدوین کے مراحل میں، مخطوطات میں پائی جانے والی، کتابت کی بے شمار غلطیوں کو وہ کسی وجہی، غواصی یا محمد قلی سے منسوب کرتے ہوئے شرمائے۔

یونیورسٹی کے ایک نوجوان اسکالر کی حیثیت سے، محمد علی اثر انہیں خطوط پر آگے بڑھنے کی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب، ایک عظیم شاعر کا مختصر تعارف ہے۔ اثر صاحب نے غواصی کی مثنویوں اور اس کے دیوان کا دیدہ ریزی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور غواصی کی فنکاری کا ایک تنقیدی جائزہ خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

کتاب میں جگہ جگہ غواصی کی مثنویوں کے دلکش انتخابات، شاعر کی حسن کارانہ عظمت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اور آخر میں دیوان غواصی کے مخطوطے سے، غزلوں کا جو بسیط انتخاب انہوں نے پیش کیا ہے، اس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ گذشتہ بارہ پندرہ برسوں میں جامعہ عثمانیہ میں جن طلبا نے دکنی ادب کا انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا ہے، اور اردو ادب کے اس دور سے وسیع دلچسپی ظاہر کی ہے، ان میں اثر صاحب نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اس عرصہ میں وہ قدیم اردو کے سب سے اچھے طالب علم ثابت ہوئے ہیں۔ وسیع مطالعہ، علمی لگن اور صحت مند ذوق کی بدولت انہوں نے اردو شاعری کے اولین دور کی تخلیقات پر علمی اور تحقیقی نظر پیدا کی ہے۔ ان کا یہ ذوق برقرار رہے، تو مجھے توقع ہے کہ آنے والے دنوں میں، وہ قدیم زبان کے ایک مستند اسکالر ثابت ہوں گے۔

پیش لفظ

پیش نظر تصنیف کا مقصد قدیم اردو کے ایک عظیم المرتبت شاعر غواصی کے شاعرانہ کمال کا قدرے تفصیلی جائزہ لینا ہے۔ ام۔ اے کی تعلیم کے دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ غواصی دبستان دکن کا ایک ایسا جوہر گراں مایہ ہے جس کے شاعرانہ مرتبہ کا ہنوز خاطر خواہ تعین نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی تین مثنویاں "مینا ستونتی"، "سیف الملوک و بدیع الجمال"، "طوطی نامہ" اور مطبوعہ کلیات کے تفصیلی مطالعہ کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایک غزل گو اور مثنوی نگار شاعر کی حیثیت سے گولکنڈہ یا بیجاپور کا کوئی شاعر غواصی کے مقام کو نہیں پہنچتا۔ یہی تاثر پیش نظر اوراق کی تالیف کا محرک بنا۔

یہ کتاب دراصل وہ تحقیقی مقالہ ہے جس کو میں نے سنہ ۱۹۷۴ء میں ام۔ اے۔ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک پرچے کی حیثیت سے لکھا تھا۔ ام۔ اے سال آخر کے پانچ، چھ ماہ کی مختصر مدت میں، نصاب کے دوسرے حصوں کے ساتھ ساتھ اس مقالہ کی تیاری کرنی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ مقالہ غواصی جیسے عظیم المرتبت شاعر کے ساتھ پورا انصاف کرنے کا ادعا نہیں کر سکتا۔ اس خصوص میں مجھے اپنی کوتاہیوں کا پوری طرح احساس ہے۔

مقالہ کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں اس سماجی اور ادبی پس منظر کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس میں غواصی کی شاعری نشو و نما پائی۔ اس سلسلہ میں دکن کے ان ممتاز شاعروں اور ادیبوں کے

کارناموں پر بھی طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے، جنہوں نے غواصی سے قبل قدیم اردو میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

دوسرا باب غواصی کے حالاتِ زندگی پر مبنی ہے۔ دکنی کے اکثر و بیشتر شعراء کی طرح غواصی کی زندگی کے تعلق سے صرف کچھ اچٹتے ہوئے اشارے، تاریخوں یا خود غواصی کی تصانیف میں ملتے ہیں۔ اِس مواد کو یکجا کر کے غواصی کی سوانح پر ممکنہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اِس باب میں غواصی کی ۳۲ مخلوط غزلوں کے مطلعے اور مقطعے نقل کئے گئے ہیں، جن میں سے ایک غزل، محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں اور ۳۱ غزلیں عبداللہ قطب شاہ کے دیوان میں اختلاف تخلص کے ساتھ موجود ہیں۔ محمد قلی چونکہ ایک خوش گو اور قادر الکلام شاعر ہے، اس لیے اس کے مخطوطے میں غواصی کی ایک غزل کا شامل ہو جانا اتفاقی بات ہو سکتی ہے لیکن عبداللہ قطب شاہ کے مخطوطے میں غواصی کی ۳۱ غزلوں کا اختلاط پا جانا محض ایک اتفاقی بات نہیں ہو سکتی۔ ایک تو اس لیے کہ غواصی، عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا، دوسرے یہ کہ مشترکہ غزلوں میں غواصی کا مخصوص متخیلہ اور اس کا منفرد اسلوب بیان بھی نمایاں ہے۔ اس لیے راقم کا خیال ہے کہ وہ تمام غزلیں جو عبداللہ قطب شاہ اور ملک الشعرا غواصی کے درمیان مشترک ہیں غواصی ہی کی تخلیق ہیں۔

تیسرے باب میں غواصی کی تینوں مثنویوں کا ادبی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس خصوص میں بحیثیت مثنوی نگار اور شاعر کے، غواصی کا مقابلہ اردو کے عظیم مثنوی نگار میر حسن سے کیا گیا ہے۔

غواصی اُردوئے قدیم کا سب سے بڑا غزل گو شاعر ہے۔ چوتھے باب میں

غواصی کے تغزل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کی غزل گوئی کی خصوصیات کو نمایاں کیا گیا ہے۔

غواصی کے کلام کا بیشتر حصہ مثنویوں اور غزلوں پر مشتمل ہے، لیکن اس نے قصیدہ اور رباعی پر بھی خاطر خواہ توجہ دی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نصرتی کے بعد غواصی دکنی اسکول کا سب سے بڑا قصیدہ نگار ہے۔ پانچویں باب میں غواصی کے قصائد اور رباعیوں کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

چھٹے باب میں قدیم اردو شاعری میں اس باکمال شاعر کے مقام کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ غواصی کا کلام بہ آسانی دستیاب نہیں ہو سکتا، خاص طور پر اس کا مطبوعہ کلیات اب کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہوتا۔ اس لیے کتاب کے آخر میں غواصی کا منتخب کلام پیش کیا گیا ہے اس سلسلہ میں غواصی کے مطبوعہ کلیات کے علاوہ اس کے نادر و نایاب قلمی دیوان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور اس کی بیس غیر مطبوعہ غزلوں کے منتخب اشعار پہلی بار شائع کیے جا رہے ہیں۔ غیر مطبوعہ اشعار کے حوالے فٹ نوٹ میں دیئے گئے ہیں۔

اس مقالہ کے محرک اور نگراں ڈاکٹر غلام عمر خاں صاحب، ریڈر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں، جن کی مشفقانہ رہنمائی مجھے ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مقالہ کی تیاری سے کتاب کی اشاعت تک قدم قدم پر اپنے گراں قدر مشوروں سے میری مدد فرمائی۔

ناانصافی ہوگی اگر میں پروفیسر رفیعہ سلطانہ صدر شعبۂ اردو کا بطور خاص

شکریہ ادا نہ کروں، جن کی شفقت اور حوصلہ افزا رہنمائی میرے لیے مشعلِ راہ بنی رہی۔ شعبۂ اردو کے دیگر اساتذہ، ڈاکٹر حفیظ قتیل، ڈاکٹر حمید شطاری، ڈاکٹر مغنی تبسم اور ڈاکٹر سیدہ جعفر بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں، جن کے لکچرز سے میں نے ام۔اے کی تعلیم کے دوران استفادہ کیا ہے۔

میں مولوی احمد خاں صاحب درویش کا بھی ممنون ہوں، جنھوں نے غواصی کے حالاتِ زندگی اور اس کے سلسلہ بیعت کے متعلق مواد کی فراہمی میں میرے ساتھ تعاون کیا۔

راحت، میری شریکِ زندگی ہونے کے علاوہ اس کتاب کی اشاعت میں بھی برابر کی شریک رہی ہیں، انھوں نے ہر مشکل مرحلہ میں میری مدد کی ہے، لیکن ان سے جو تعلقِ خاطر ہے اسی کی بنا پر شکریہ ادا کرنا محض ایک رسمی بات ہوگی۔

اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش سے اظہار شکر گزاری بھی میرا اخلاقی فرض ہے، جس کی اعانت کے باعث یہ مقالہ منظر عام پر آسکا۔ میرے کرم فرما جناب یعقوب خاں صاحب حنفی اس کتاب کی اشاعت کے مختلف مراحل میں میرا ہاتھ بٹایا، جس کے لیے میں موصوف کا متشکر ہوں، اس خصوص میں قیصر سرمست صاحب آرٹسٹ، سید غوث صاحب پروپرائٹر کسل فائن آرٹ لیتھو اینڈ آفسیٹ ورکس اور سید منظور محی الدین صاحب کلیانوی بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔

محمد علی اثر

سماجی اور ادبی پس منظر

ملک الشعراء ملاّ غواصی کی شخصیت اور اس کے شعری کارناموں کا جائزہ لینے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سماجی اور ادبی ماحول کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے، جس میں قدیم اردو کے اس عظیم المرتبت شاعر نے نشو ونما پائی۔ قطب شاہی حکمرانوں کے عہد میں گولکنڈہ میں جس ثقافت اور تمدن کو فروغ ہوا، وہ حقیقتاً صرف ایک تسلسل تھا، ان سماجی قدروں اور ثقافتی روایات کا جن کی آبیاری سرزمین دکن میں پہلی بار بہمنی بادشاہوں نے کی تھی۔ چودھویں صدی عیسوی کے درمیانی زمانے میں جب دہلی کے تغلق خاندان کو زوال ہوا اور شاہان بہمنی نے دکن میں ایک خودمختار ریاست کی بنا ڈالی تو جنوبی ہند کی سرزمین پہلی مرتبہ ایسی ثقافت اور تمدن سے آشنا ہوئی جس نے کچھ ہی عرصہ قبل اسپین اور پرتگال سے لیکر آفریقہ مشرق متوسط اور پھر مملکت ہند میں علوم و فنون اور اخلاق تمدن کی روشنی پھیلائی تھی۔ پھر بہمنی بادشاہوں نے یہی نہیں کیا کہ اپنی تہذیب و ثقافت کی نعمتوں سے دکن کی سرزمین کو بہرہ اندوز کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ انہوں نے دکن کو اپنا مستقل وطن بنا لیا۔ مقامی آبادی سے اخوت اور محبت کے روابط

پیدا کیے۔ کاروبار حکومت ہوں یا سماجی روابط انہوں نے ہر سطح پر مقامی باشندوں کا دل موہ لینے کی کوشش کی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ یہاں کی عوامی زندگی کا ایک جزو بن گئے۔ سیاسی سطح پر بہمنی حکمرانوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دکن کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو ہر وقت برسرِ پیکار رہتی تھیں ایک انتظامی وحدت میں منسلک کیا اس کے نتیجہ کے طور پر جنوبی ہند میں امن و امان اور خیر سگالی کا ایک نیا دور شروع ہوا اور پھر اپنے قیام کے کچھ ہی عرصے کے بعد بہمنی درباروں نے علوم و فنون اور کمال و ہنر کی سرپرستی کے لیے ایسی شہرت حاصل کی کہ ترکستان، ایران اور مشرقِ متوسط کے صاحبان علم و فضل قدر دانی کی توقع میں دکن آنے لگے۔ بہمنی خاندان کے مشہور فرماں روا فیروز شاہ بہمنی کو ہندوستان کی تاریخ میں اس اعتبار سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے پہلی بار ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین یگانگت، اتحاد و اخوت پیدا کرنے کی ایک مثبت کوشش کی اور واقعہ یہ ہے کہ جس تہذیب کو آگے چل کر ہند اسلامی تہذیب کا نام دیا گیا، اس کی نیو دکن میں فیروز شاہ بہمنی کے ہاتھوں پڑی تھی۔ بعد کو ان ہی خطوط پر مغل فرماں روا اکبر اعظم اور قطب شاہی حکمراں محمدؐ قلی قطب شاہ اور عادل شاہی حکمراں علی عادل شاہ ثانی نے ہندوستان میں بسنے والے ان دو طبقات کے مابین یکجہتی اور اتحاد پیدا کرنے کی موثر اور کامیاب تحریک چلائی۔

سترھویں صدی عیسوی کے اوائل میں جو غواصی کی ابتدائی نشو و نما کا زمانہ ہے، جو سماجی ماحول گولکنڈہ میں موجود تھا اسے بہمنی عہد میں نشو و نما

پائے ہوئے دکنی سماج کی ایک ترقی یافتہ شکل کہا جا سکتا ہے۔

گولکنڈہ کے پہلے فرماں روا سلطان قلی قطب شاہ کا عہد (۱۵۱۸ء تا ۱۵۴۳ء) اس نوعمر سلطنت کے استحکام کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ سلطان قلی اس علاقے کے لئے کوئی نیا فرماں روا نہیں تھا۔ گولکنڈہ کی آزادی کے اعلان سے قبل اس نے تلنگانہ کے علاقے میں چوبیس سال گورنر کی حیثیت سے کام کیا تھا، اور اس علاقے میں امن و امان قائم کر کے اس نے ایک طرف تو عوام کا دل موہ لیا تھا اور دوسری طرف بہمنی دربار میں اس کا شمار ایسے سپہ سالاروں میں ہوتا تھا جو بیک وقت صاحبِ علم و فضل بھی تھے اور میدانِ کارزار کے سورما بھی۔ یہی سبب تھا کہ محمود شاہ بہمنی نے اسے صاحب سیف و قلم کے خطاب سے نوازا تھا۔ سلطان قلی تلنگانہ کے عوام میں "بڑے ملک" کے ہر دلعزیز لقب سے یاد کیا جاتا تھا[1]۔ اس کو شعر و ادب سے کہاں تک دلچسپی تھی اس کا کوئی ریکارڈ تاریخ میں نہیں ملتا، البتہ مورخین ایک پبلک عمارت "آتش خانہ" کا ذکر کرتے ہیں، جس میں آئے دن ادبی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ان میں سے بعض محفلوں میں خود سلطان قلی بھی شرکت کرتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیام مملکت کے ابتدائی زمانہ میں بھی اس بادشاہ نے شعر و ادب کی ہمت افزائی کے لئے ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

جمشید قطب شاہ نے سیاسی اعتبار سے مملکت کو مستحکم بنانے میں خاطر خواہ حصہ لیا۔ لیکن اپنے سات سالہ عہد حکومت (۱۵۴۳ء تا ۱۵۵۰ء) میں

---

[1] عبدالمجید صدیقی، تاریخ گولکنڈہ ص ۳۷

وہ گولکنڈہ کے عوام میں مقبولیت حاصل نہ کرسکا۔ کیونکہ عام روایات کے مطابق اپنے بوڑھے باپ سلطان قلی کو قتل کروانے میں جمشید کا ہاتھ تھا۔ تاہم شعر وادب سے جمشید کی دلچسپی ثابت ہے۔ وہ فارسی میں فی البدیہہ شعر بھی کہتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم وادب کی ہمت افزائی میں وہ اپنے باپ سے پیچھے نہیں تھا۔

سنہ ۱۵۵۰ء میں سلطان قلی کے چھٹے اور سب سے چھوٹے بیٹے ابراہیم قلی قطب شاہ کی تخت نشینی کے بعد گولکنڈہ کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس ثقافت وتمدن کو آج مورخین قطب شاہی ثقافت اور تمدن سے موسوم کرتے ہیں وہ اپنے نمایاں خدوخال میں ابراہیم قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ کے عہد ہی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جمشید نے جب اپنے باپ کا خاتمہ کرکے گولکنڈہ کا تخت حاصل کیا تو ابراہیم قلی اپنی جان بچانے کے لئے گولکنڈہ کی ہمسایہ تلگو ریاست وجیانگر میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ وجیانگر کے تلگو حکمرانوں نے ابراہیم کا پوری طرح ساتھ دیا۔ یہی سبب تھا کہ ابراہیم کے دل میں اپنی مملکت کے تلگو بولنے والے عوام کیلئے محبت اور قدردانی کے جذبات تھے۔ غالباً قیام وجیانگر ہی کے زمانے میں اس کی شادی ایک تلگو خاتون بھاگیہ رتی کے ساتھ ہوئی۔ جس کو آگے چل کر قطب شاہی خاندان کے پانچویں فرماں روا محمد قلی قطب شاہ کی ماں بننے کی عزت حاصل ہوئی[1]۔ ابراہیم نے ایک طرف تو سیاسی اعتبار سے سلطنت کے استحکام و توسیع کیلئے کامیاب جدوجہد کی اور دوسری طرف

---

[1] ڈاکٹر زور، کلیات محمد قلی قطب شاہ صفحہ ۲۳

اپنی مملکت میں بسنے والے مختلف طبقات کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے کی ارادی کوشش کا آغاز کیا۔ لڑکپن ہی کے زمانے سے ابراہیم قلی قطب شاہ علم و ادب سے اپنی دلچسپی کے لئے مشہور تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس کی یہ دلچسپی ادیبوں اور اہل کمال کی قدر دانی اور سرپرستی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

ابراہیم قطب شاہ کا دور گولکنڈہ میں تمدنی اور ادبی روایات کے آغاز کا دور ہے۔ قطب شاہی خاندان میں ابراہیم قطب شاہ سب سے پہلا حکمران ہے جس نے باضابطہ نظم و نسق قائم کر کے سلطنت کو پرامن بنایا۔ تلنگانہ اس وقت چوروں اور قزاقوں کا گھر بنا ہوا تھا، راستے اس قدر دشوار اور پرخطر تھے کہ مسافروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا ایک دشوار امر تھا۔ ابراہیم قطب شاہ نے پورے اہتمام کے ساتھ چوروں اور لٹیروں کے خاتمے کا بیڑہ اٹھایا تاکہ ہر جگہ امن و امان قائم ہو سکے۔ چوری اور ڈکیتی کے انسداد میں اس نے انتہائی سختی سے کام لیا، جسکی وجہہ سے جرائم بالکل مفقود ہو گئے تھے۔ ابراہیم قطب شاہ کو عدل گستری کا بھی بڑا خیال تھا۔ اگر کسی کا کوئی جانور مر جائے یا چوری ہو جائے تو سرکار کی جانب سے اس کا معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اِس انتظام کی وجہہ سے عوام اطمینان اور چین کی سانس لینے لگے۔

ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں تجارت اور صنعت و حرفت کو بھی بڑا فروغ ہوا اور دوسری تمدنی ترقیوں کے لیے راہیں کھل گئیں۔ زراعت کی ترقی کے لیئے کئی تالاب بنوائے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں۔ شہر عمارات

اور باغات کی تعمیر بھی ابراہیم قطب شاہ کے عہد کا بڑا کارنامہ ہے اس کے عہد میں جو محل، باغ اور عمارتیں بنائی گئیں ان میں ایوان شاہی (دولت خانہ عالی) باغ گلشن ابراہیم باغ۔ لنگر دو از دہ اور امام بارہ دری کافی مشہور ہیں۔

باغات اور محلات کے علاوہ ابراہیم قطب شاہ کے رفاہ عام کے کارنامے بھی قابل ذکر ہیں۔ اس نے متعدد مساجد، مدارس اور تالاب تعمیر کروائے تھے۔ اس کے بنوائے ہوئے تالاب حسین ساگر، ابراہیم پٹن اور بدویل بہت مشہور ہیں۔ ابراہیم قطب شاہ نے نہ صرف سیاسی لحاظ سے اپنی سلطنت کو مستحکم کیا اور نظم و نسق کا سکہ جاری کیا بلکہ اس کو علم و ادب کی ترقی کا خیال بھی دامن گیر تھا۔ وہ خود بھی فارسی میں شعر کہتا تھا، کوئی تعجب نہیں کہ اس نے اردو میں بھی شعر کہے ہوں لیکن ابھی تک ان کا پتہ نہیں چلا۔ ابراہیم قلی کی زندگی کا بڑا حصہ چونکہ ایک تلگو ریاست میں بسر ہوا۔ اس لیے اس کے مزاج میں مختلف طبقات کے تعلق سے مروت اور رواداری کے جذبات موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں تلنگانہ میں بسنے والے مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا ہو گئی تھی۔ ابراہیم قطب شاہ تلگو کا سب سے پہلا سرپرست ہے، وہ تلگو زبان پر عبور رکھتا تھا اور تلگو ادب سے لطف اندوز بھی ہوتا تھا۔ اس کے دربار میں عربی و فارسی کے علماء کی طرح تلگو زبان کے شاعر بھی باریاب ہوتے تھے، اور ان کو شاہانہ سرپرستی حاصل تھی۔ اس زمانے کے متعدد تلگو شاعروں نے اپنے کلام میں ابراہیم قلی کی قدر دانی کی تفصیلات پیش کی ہیں، ابراہیم قطب شاہ تلگو

شعراء میں "ملک براہم" کے نام سے مشہور تھا۔

قدیم اُردو کی تاریخ میں ابراہیم قطب شاہ کو اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے کہ اس کے عہد میں گولکنڈہ کی سرزمین پر پہلی بار اُردو شعر و ادب کی شمع روشن ہوئی۔ دلبستان گولکنڈہ کے اولین شعراء جن کا اب تک سراغ لگایا گیا ہے سب کے سب ابراہیم قطب شاہ کے عہد ہی سے متعلق ہیں۔

فیروزؔ ابراہیم قطب شاہ کے عہد کا ایک نامور شاعر ہے جو بیدر کا متوطن تھا اور بہمنی سلطنت کے آخری زمانے میں ایک باکمال شاعر کی حیثیت سے مشہور تھا۔ فیروز مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم (متوفی ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء) کا معتقد اور مرید تھا۔ مخدوم جی اپنے زمانے کے مشہور و مقبول صوفی اور صاحب تصنیف عالم تھے، ان کی شہرت دکن کے سارے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ابراہیم قطب شاہ نے مخدوم جی کو گولکنڈہ آنے کی دعوت دی تھی، لیکن انھوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اور اپنے بجائے اپنے ایک شاگرد و خلیفہ فیروز کو گولکنڈہ بھیجا۔[۱] فیروز بیدر کی فضائے شعر و ادب کا تربیت یافتہ تھا، گولکنڈہ آنے سے قبل وہ بیدر کے اساتذہ میں شمار ہوتا تھا۔ گولکنڈہ آنے کے بعد اسے یہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، وہ صوفی بھی تھا اور شاعر و عالم بھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم قلی کے عہد میں فیروزؔ نے اُستادِ سخن کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور گولکنڈہ کے متعدد نوجوان شاعروں اور ادیبوں نے اس کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ فیروز کی گولکنڈہ میں آمد وہی حیثیت رکھتی ہے جیسے کہ ولی کا سفرِ دہلی، جس کے بعد شمالی ہند میں پہلی بار اُردو شاعری کی شمع

---

[۱] ڈاکٹر زور دکنی ادب کی تاریخ ص ۱۷

روشن ہوئی۔ دبستان گولکنڈہ کے کم و بیش تمام عظیم المرتبت شاعروں نے فیروز کو اپنا استاد سخن تسلیم کیا ہے وجہی جو قدیم اردو کا ایک بلند پایہ شاعر اور ادیب ہے، اپنی مثنوی "قطب مشتری میں لکھتا ہے کہ" اگر آج فیروز زندہ ہوتا تو میرے اس کارنامے کی داد دیتا۔

که فیروز آ خواب میں رات کوں دعا دے کے چومے مرے ہات کوں
کہیا ہے توں یو شعر ایسا رس کہ پڑنے کوں عالم کرے سب ہوس
وجیہی ترا ذہن جیوں برق ہے تجے اور لعضیاں میں لئی فرق ہے

وجہی نے" قطب مشتری" میں ایک اور مقام پر فیروز اور محمود کو اس طرح یاد کیا ہے ۔

کہ فیروز محمود اچھتے جو آج تو اس شعر کوں بہوت ہوتا رواج
کہ نادر تھے دونوں بی اس کام میں رکھیا نیں کئے بول اچھوں نام میں

محمد قلی قطب شاہ، ظہیر فاریابی اور انوری کے ساتھ فیروز اور محمود کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

اگر محمود ہور فیروز بیہوش ہوئیں عجب کیا ہے
ہوئے تج وصف نا کر سک ظہیر ہور انوری بے ہوش

دبستان گولکنڈہ کے ایک اور شاعر ابن نشاطی نے پھول بن میں استاد فیروز کا اس طرح ذکر کیا ہے ۔

نہیں دو کیا کروں فیروز استاد
جو دیتے شاعری کا مج مرے داد[۱]

۱۔ نصیر الدین ہاشمی۔ دکن میں اردو ص ۶۷

ایک مختصر مثنوی "پرت نامہ" کے علاوہ فیروزی کی دو ایک غزلیں[1] اور بعض غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔ غزلوں سے فیروز کی ادبی حیثیت کا اندازہ بہ آسانی ممکن ہے جیسا کہ ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں دونوں نے لکھا ہے کہ "پرت نامہ" کوئی ایسا بڑا ادبی نقش نہیں تھا جو فیروز کی اُستادی اور اس کے کمال فن کے شایانِ شان ہو[2]

اسی عہد کا ایک ممتاز شاعر ملا خیالی ہے، غالباً اس کا تعلق شاہی دربار سے بھی تھا۔ اُس نے ۱۶۶۵ء میں اپنے نام سے ایک خوبصورت دو منزلہ مسجد تعمیر کروائی تھی۔ ملا خیالی کی یہ مسجد اور اس کا کتبہ آج بھی موجود ہے۔ ملا خیالی کی صرف ایک غزل[3] کے علاوہ کوئی اور چیز دستیاب نہیں ہوئی لیکن بعد کے شعراء میں ابن نشاطی اور سید اعظم نے اپنے اشعار میں خیالی کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔ ابن نشاطی اپنی مثنوی "پھول بن" میں کہتا ہے کہ "اگر آج ملا خیالی زندہ ہوتا تو وہ میرے اس ادبی کارنامے کی ستائش کرتا ؎

اچھے تو دیکھتا ملا خیالی یو میں برتیا ہوں سو صاحب کمالی

سید اعظم نے "داستان فتح جنگ" میں خیالی کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

خیالی کی فوجاں غواصی کی بحر ہلالی کے گوہر ہور بحری کی لہر[4]

۱؎ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو جلد اول مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۵ء

۲؎ ڈاکٹر مسعود حسین خاں قدیم اردو جلد اول "پرت نامہ" ص ۳۳۸۔

۳؎ ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۵ء

۴؎ داستان فتح جنگ از سید اعظم (قلمی) انجمن ترقی اردو کراچی بحوالہ تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی

خیالی کی طرح سید محمود بھی ابراہیم قلی کے عہد کا استاد سخن تھا زمانۂ مابعد کے عظیم المرتبت شاعروں جیسے وجہی اور ابن نشاطی نے محمود کو قدیم اُردو کے اُستاد سخن کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔

قطب مشتری میں وجہی کہتا ہے :۔

کہ فیروز محمود اچھتے جو آج تو اس شعر کوں بہوت ہوتا رواج

اسی طرح ابن نشاطی نے بھی پھول بن میں محمود کا ذکر یوں کیا ہے۔

اہے حد حیف جو نئیں سیّد محمود
کتے پانی کوں پانی دود کوں دود[1]

سید محمود طبعًا ایک غزل گو شاعر معلوم ہوتا ہے، اگرچہ کہ اس نے مرثیہ، کبت، قصیدہ، دوہرے اور جھولنا پر طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن اس کا بیشتر کلام غزلوں پر مشتمل ہے[2]۔

ابراہیم قطب شاہ کے انتقال کے وقت گولکنڈہ اردو کا ایک مرکز بن چکا تھا۔ ابراہیم قطب شاہ کا فرزند سلطان محمد قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۱ء) نہ صرف ایک خوشنما شہر کا بانی، رعایا پرور حکمراں اور دکنی تہذیب و تمدن کا معیار تھا بلکہ اردو، تلگو اور فارسی زبان کا پرگو شاعر بھی۔ ابراہیم قلی کی وفات کے بعد درباریوں کے ایک گروہ کی سازش کی بدولت ابراہیم قلی کے پہلے فرزند کو تخت و تاج نصیب نہ ہوسکا اور محمد قلی قطب شاہ جو

---

[1] نصیر الدین ہاشمی دکن میں اردو ص ۷۰
[2] ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول لاہور ص ۲۰۲

ابراہیم قلی کا چوتھا فرزند تھا پندرہ سال کی عمر میں گولکنڈہ کے تخت پر بیٹھا۔

محمدؐ قلی قطب شاہ کو خوش قسمتی سے ایک مستحکم اور طاقتور حکومت اپنے باپ سے ورثہ میں ملی تھی اور اس کا دورِ حکومت دو ایک معمولی لڑائیوں کو چھوڑ کر بڑی حد تک امن و امان میں گذرا، یہ ضرور ہے کہ اندرون مملکت اس کے مخالفین کے گروہوں نے وقتاً فوقتاً سازشیں کیں اور کبھی کبھی ہنگامے بھی کھڑے کئے، لیکن محمدؐ قلی کو انہیں کچلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

اس کے زمانے میں ایران کے ایک مشہور عالم میر محمدؐ مومن حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ جنھیں بادشاہ نے اپنا مشیر مقرر کیا تھا۔ سلطنت کے بیشتر کاروبار کی عام نگرانی بھی میر محمدؐ مومن ہی کے سپرد تھی یہی سبب تھا کہ محمدؐ قلی کو سیاسی اور انتظامی فکروں سے بڑی حد تک بے نیاز رہ کر عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کا موقع مل گیا۔

ابراہیم قطب شاہ کے چار فرزندوں میں محمدؐ قلی کی تعلیم و ترتیب دوسروں کے مقابلے میں ادھوری اور ناقص ہوئی تھی۔ لڑکپن کے زمانے سے وہ خودسر بلکہ آوارہ مزاج ہو گیا تھا۔ مورخین نے اس واقعہ کی تفصیل تاریخوں میں لکھی ہے کہ کس طرح لڑکپن میں ایک بار جب کہ موسیٰ ندی میں طغیانی آئی ہوئی تھی محمدؐ قلی نے اپنی جان ہلاکت میں ڈال کر گھوڑے پر ندی کو پار کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ابراہیم قطب شاہ نے ندی پر وہ پل تعمیر کروایا جو موسیٰ ندی کا پہلا پل تھا اور آج بھی پرانا پل کے نام سے مشہور ہے۔

محمدؐ قلی قطب شاہ کے عہد حکومت کا ایک یادگار کارنامہ شہر حیدرآباد کا

قیام ہے۔ محمد قلی کی بلند خیالی ایک وسیع اور متمدن شہر کی طلبگار تھی۔ اس زمانے میں قلعہ گولکنڈہ کے اطراف آبادی بے ہنگم طور پر پھیلتی جا رہی تھی، آبادی کی ضروریات کے لیے یہ مختصر شہر ناکافی تھا۔ چنانچہ محمد قلی نے شہر گولکنڈہ کے قریب ایک وسیع اور منصوبہ بند شہر کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا اور اس طرح ۱۵۹۰ء میں محمد قلی کی تخت نشینی کے تقریباً بارہ سال بعد شہر حیدرآباد کی تاسیس عمل میں آئی۔ اس شہر کا منصوبہ بنانے میں میر محمد مومن کو بڑا دخل ہے۔ چار مینار شہر کا مرکزی مقام قرار پایا اس کے چاروں طرف سیدھی سڑکیں بنائی گئیں اور قرب و جوار میں متعدد شاہی محل تعمیر کروائے گئے۔ چار مینار کی بلند و بالا عمارت ڈیڑھ دو سال میں تیار ہوئی۔ چار مینار کے چاروں طرف چار سیدھی سڑکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر اور شہروں کی طرح خود ساختہ نہیں ہے بلکہ اس کی تعمیر میں خاص ضابطہ اور سلیقہ ملحوظ تھا۔ محمد قلی نے شہر کے قیام کے ساتھ اس بات کا پورا لحاظ رکھا تھا کہ اس میں ایک متمدن زندگی کی تمام ضرورتیں موجود ہوں۔ چنانچہ اس شہر میں چار بازار بنائے گئے تھے۔

جن میں چودہ ہزار دکانیں[1] تھیں۔ اس کے علاوہ شہریوں کی سماجی اور مذہبی ضروریات کے لیے بے شمار محلے، حمام، خانقاہیں، مدرسے، مسجدیں، لنگر خانے، مہمان خانے اور کاروان سرائیں بنائی گئیں۔ ان عمارتوں کی تعداد کوئی بارہ ہزار بتائی جاتی ہے[2]۔ محلات کو چھوڑ کر محمد قلی کے

---

[1] عبدالمجید صدیقی۔ تاریخ گولکنڈہ ص ۱۳۱

[2] عبدالمجید صدیقی۔ تاریخ گولکنڈہ ص ۱۳۱

عہد کی اکثر عمارتیں اب تک موجود ہیں۔

محمد قلی قطب شاہ کی بنائی ہوئی عمارتوں میں "داد محل" اور "خداداد محل" مشہور ہیں۔ داد محل جو عدل گستری کیلئے بنایا گیا تھا۔ اس قدر عظیم الشان تھا کہ بیرونی سیاح بھی اس کی تعریف کرتے ہیں۔ خداداد محل بلند ترین تھا۔ اس کی سات منزلیں تھیں۔ ہر منزل اتنی وسیع تھی کہ بجائے خود ایک محل تھی اس لیئے ہر منزل کا نام علیحدہ رکھا گیا تھا۔ خداداد محل کی محمد قلی نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے ؎

خداداد محل کوں محمد سنوارے　　تواس ہیں جنت کے نگاراں نگارے
بلندی محل کا ہے اسمان جیسا　　سورج چاند تارے سواس تھے سنگارے

موسیٰ ندی کے کنارے "ندی محل" کے نام سے ایک پر فضا محل بنایا گیا تھا جو ندی کا دلکش منظر پیش کرتا تھا۔ اس کے بہترین موقع و محل اور نفیس تعمیر کاری کی بہت تعریف کی گئی ہے۔[1]

"سجن محل" اور "اعلیٰ محل" ان محلوں کے علاوہ تھے۔ جن کا ذکر بادشاہ نے ان الفاظ میں کیا ہے ؎

ساجنی سجن محل میں ساج کر چھنداں سوں آئی
جان جانی ہو کے جاں کا پیالا سو مجکوں پلائی
اعلیٰ محل اعلیٰ دسے اعلیٰ خوشیاں مہتر گھڑی
اعلیٰ اسکی اعلیٰ دسے جوبن گھڑی وو داں کھڑی

ان کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کی مشہور عمارتوں میں "کوہ طور" اور

---

[1] عبد المجید صدیقی تاریخ گولکنڈہ ص ۱۵۱

"نبات گھاٹ" بھی شامل ہیں' نبات گھاٹ' شہر کے شمال میں تعمیر ہوا تھا' جہاں نوبت پہاڑ واقع ہے "کوہ طور" کا محل اس پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا جہاں آج قصرِ فلک نما واقع ہے۔ محمدؐ قلی نے "کوہ طور" کی یوں تعریف کی ہے۔

کہہ طور پر سدا ہے سبحان کا اُجالا تو خلق سُرمہ کرتی رحمان کا اُجالا

شہر حیدر آباد کو سجانے اور خوبصورت بنانے میں گولکنڈہ کے امرا نے بھی نمایاں حصہ لیا' جگہ جگہ خوش نما عمارتیں بنوائی گئیں اور باغات لگوائے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند برسوں میں حیدر آباد عہد وسطیٰ کا ایک بارونق شہر بن گیا۔

تمدنی اور سماجی نقطۂ نظر سے محمدؐ قلی قطب شاہ کا عہد حکومت دکن کی تاریخ میں ایک یادگار دور سمجھا جاتا ہے۔ محمدؐ قلی نے اس بات کی خاص طور پر کوشش کی کہ اس مملکت میں بسنے والے مختلف فرقوں اور طبقوں کے درمیان یگانگت' میل جول اور بھائی چارگی کے جذبات نشو و نما پائیں۔ محمدؐ قلی کی ماں بھاگیہ رتی تلنگانہ کی ایک خاتون تھی' کوئی تعجب نہیں کہ محمدؐ قلی کے مزاج کی تشکیل میں اس کی ماں کا اثر بھی کارفرما رہا ہو۔ اس نے اس امر کی بھی کوشش کی کہ مملکت میں بسنے والے سارے طبقات کو مذہبی آزادی حاصل رہے۔ دیوالی' بسنت اور ہولی کے تہوار قومی تقریبوں کے طور پر شاہی محل میں بھی منائے جاتے تھے' اور یہ روایت تلنگانہ اور حیدر آباد کے عوام میں اب بھی رائج ہے۔

محمدؐ قلی نے اپنے تیس ۳۰ سالہ عہد حکومت میں قدیم اردو یا دکنی کی ایسی شاندار خدمات انجام دیں کہ وہ اوج کمال پر پہنچ گئی اور ایک شائستہ ادبی زبان بن گئی۔ وہ خود بھی ایک قادر الکلام شاعر تھا' اُس کا ضخیم کلیات موجود ہے جس میں

غزلیں، قصیدے، مثنویاں، مرثیے، ترجیع بند اور رباعیات سارے اصنافِ سخن پائے جاتے ہیں۔ اب تک جن شعراء کا کلام مکمل دیوان کی شکل میں مل سکا ہے، ان میں محمد قلی اُردو کا پہلا صاحبِ دیوانِ شاعر ہے، محمد قلی سے قبل اگرچہ کہ متعدد اساتذہ سخن مثلاً فیروزؔ، وجہیؔ، ملا خیالی، سید محمود وغیرہ گذر چکے ہیں لیکن کسی شاعر کا مکمل دیوان ہنوز دستیاب نہیں ہوا۔

بعض نقادانِ ادب نے محمد قلی کو ایک عظیم شاعر قرار دیا ہے اور اس کا مقابلہ دنیا کے عظیم شعرا سے کیا ہے، عظیم شاعر کی اصطلاح کا محمد قلی پر اطلاق زیادتی ہوگی۔ ایک بلند پایہ یا عظیم شاعر وہ ہوتا ہے جس کی شاعری میں حقائقِ حیات کے تعلق سے حکیمانہ بصیرت ملتی ہے۔ محمد قلی نہ بلند پایہ عالم تھا اور نہ فلسفی یا حکیم اس نے اپنے تجرباتِ زندگی کو سادگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور یہی اس کی شاعری کی اہم خصوصیت ہے۔ وہ ایک خوش گو شاعر اور اردو کا اولین صاحبِ دیوان شاعر ہے۔ اُردو زبان کی تاریخ میں یہی واقعہ اس کے نام اور کلام کو ہمیشہ زندہ رکھنے کیلئے کافی ہے۔ محمد قلی فارسی شاعری سے متاثر تھا۔ اس نے خاص طور سے خواجہ حافظ کا اثر قبول کیا، لیکن فارسی شاعری کے عام رجحانات تصور پرستی اور تخیل پر مبنی محمد قلی کے کلام میں کم ملتے ہیں۔ وہ ایک تصور پرست (IDEALIST) نہیں بلکہ حقیقت پسند (REALIST) شاعر ہے۔

محمد قلی کی شاعری میں مقامی ماحول اور مقامی ادبی روایات کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔ محمد قلی کی شاعری کے اس پہلو پر ڈاکٹر زورؔ نے

تفصیل کے ساتھ کلیات محمدؐ قلی کے مقدمے میں روشنی ڈالی ہے۔ اسکی زندگی سراسر عیش کی زندگی تھی آئے دن محلوں میں رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہوا کرتیں مطرب خود بادشاہ کی غزلیں سازوں پر پیش کرتے دیوالی کے موقع پر چراغاں کا اہتمام ہوتا ہولی میں رنگ کھیلا جاتا اور بسنت کے موقع پر محل کے سارے گوشے زرد رنگ میں نہا جاتے یہ ساری تقاریب خواہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں یا موسمی تہواروں کی صورت میں محمد قلی کے لیے عیش و عشرت کے ایک تازہ عنوان کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس نے شب برات، عید میلاد اور شب معراج پر بھی نظمیں کہی ہیں لیکن ان ساری نظموں کی تان دعوتِ عیش پر ٹوٹتی ہے اور وہ بڑی معصومیت کے ساتھ خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ نبیؐ اور علیؓ کے صدقے سے اسے دن رات عیش کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔

محمدؐ قلی نے دیانت داری کے ساتھ اپنی نجی زندگی کی تفصیلات کو بھی اپنے اشعار میں بے نقاب کیا ہے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ بیسیوں ملکوں کی منتخب حسینائیں اس کے محل میں جمع تھیں۔ محمدؐ قلی نے انہیں مختلف نام بھی دیئے تھے اور ان میں سے متعدد حسیناؤں کا ذکر خاصی تفصیل کے ساتھ اپنی شاعری میں کیا ہے۔ مختلف موسموں میں دکن کے عوام و خواص کس طرح زندگی گذارتے تھے۔ عیدوں اور تہواروں کی تقاریب محلوں میں کس طرح منائی جاتی تھیں اور غریب عوام کے ہاں کس طرح ان ساری تفصیلات کے دلچسپ مرقعے محمدؐ قلی کے کلیات میں ملتے ہیں۔ اس نے اپنی شاعری میں شاہی ہاتھی، گھوڑے اور محلوں کا ذکر

کیا ہے۔ اپنے سیاسی مخالفین کو دل کھول کر بد دعائیں دی ہیں اور دوستوں کے لیئے دعا بھی کی ہے۔ غرض اس نے بے کم وکاست اپنی خانگی، سماجی اور سیاسی زندگی کے تجربات کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

محمد قلی کے کلام میں ادبیت اور دلکشی پائی جاتی ہے اس کا کلام سادہ اور رواں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی ذہنی کدوکاوش میں اپنے زمانے سے بہت آگے تھا۔ غالبًا دبستان گولکنڈہ کے بادشاہوں میں اتنا پرگو شاعر جس نے زندگی کے ہر پہلو پر خیال آرائی کی ہو پیدا نہیں ہوا۔ وہ بات کو راست طور پر سادگی کے ساتھ بیان کرنے کا عادی ہے۔ غیر ضروری تشبیہات و استعارات اور ایسی تلمیحات جن سے اظہارِ علم مقصود ہو محمد قلی کی شاعری میں نہیں ملتے۔

محمد قلی قطب شاہ کے عہد کے باکمال شاعروں میں شیخ احمد گجراتی اور ملک الشعراء وجہی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ احمد کی دو کتابوں "قصہ لیلیٰ مجنوں" (۱۶۰۰ء) اور "مصیبت اہلِ بیت" کا پتہ چلتا ہے۔ اول الذکر مثنوی کے چند منتشر اوراق محمود شیرانی کو دستیاب ہوئے تھے جن کا تفصیلی ذکر انہوں نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں کیا ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر جمیل جالبی کو احمد کی ایک اور مثنوی "یوسف زلیخا"[۱] دستیاب ہوئی ہے۔ یہ مثنوی تقریبًا پونے چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے "یوسف زلیخا" سے شاعر کے حالات، وطن اور خلافت پر

---

[۱] ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول ص ۲۲۲

روشنی پڑتی ہے۔

احمد گجرات کا متوطن تھا جس کا ذکر اس نے حسبِ ذیل شعر میں کیا ہے۔

احمد دکن کے خوباں ہوتیاں ہیں پر ملاحت
توتوں دکھن کو اپنا گجرات کر کے سمجیا[1]

اس مثنوی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ احمد شاہ وجیہہ الدین علوی کا مرید تھا[2]۔ ابن نشاطی نے اپنی مثنوی "پھول بن" میں احمد کو اس طرح یاد کیا ہے۔

نہیں اس وقت پر وو شیخ احمد سخن کا دیکھتے باندیا سو میں سُد

وجہی، محمد قلی کے عہد کا ایک عظیم المرتبت شاعر اور ادیب ہے۔ اس کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ غالباً ابراہیم قطب شاہ کے آخری زمانے میں اس نے شاعر اور ادیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کی محمد قلی قطب شاہ نے اس کو اپنے دربار کا ملک الشعراء مقرر کیا تھا۔ پھر اس نے محمد قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ کا عہد بھی دیکھا۔ "قطب مشتری" "سب رس" اور تاج الحقائق کے علاوہ وجہی کی چند غزلیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ حال ہی میں وجہی کا فارسی دیوان بھی دریافت ہوا ہے۔ جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وجہی کا نام اسداللہ تھا۔ اس کے اجداد خراسان سے دکن آئے تھے، مگر اس کی پیدائش دکن میں ہوئی۔

"قطب مشتری" ۱۶۰۹ء کی تصنیف ہے۔ یہ مثنوی تقریباً ساڑھے ستر

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول لاہور ص ۲۲۲

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول ص ۲۲۳

صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس میں وجہی نے محمد قلی کو قصہ کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ قطب مشتری کا اسلوب پاکیزہ اور زبان سادہ اور رواں ہے۔ اِس کے مطالعہ سے اس زمانے کی طرزِ معاشرت اور تہذیب و تمدن کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کے کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

وجہی کا دوسرا اہم کارنامہ اسکی نثری تصنیف "سب رس" ہے۔ یہ کتاب سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں سنہ ۱۶۳۴ء میں قلمبند ہوئی سب رس قدیم اُردو کی نثری کہانی ہی نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی اُردو نثر کے دو تین منتخب ادبی شاہکاروں میں شمار ہوتی ہے۔ اگرچہ کہ سب رس کا قِصّہ فارسی کے ایک مشہور قِصّے پر مبنی ہے جو فتّاحی کی تصنیف تھا لیکن وجہی نے قِصّہ کا صرف ڈھانچہ مستعار لیا ہے۔ قِصّے کی ساری تفصیلات اور اس کا آب و رنگ وجہی کی اپنی تخلیقی کاوشوں کا حاصِل ہے۔ اِس کِتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وجہی ایک صاحبِ فکر ادیب اور اپنے زمانے کا ایک بلند پایہ عالم بھی تھا۔

وجہی کی تیسری نثری کتاب "تاج الحقائق" ہے جو حال ہی میں دریافت ہوئی ہے۔ تصوف کے موضوع پر لکھی ہوئی یہ کتاب 'تاریخی' لسانی اور ادبی اعتبار سے قدیم اُردو کے اولین نثر پاروں میں شمار ہوتی ہے۔

حالاتِ زندگی

ملک الشعراء غواصی کے حالاتِ زندگی قدیم اُردو کے اکثر نامور شاعروں کے حالات کی طرح ہنوز پردۂ تاریکی میں ہیں۔ اس کا نام سنہ پیدائش، سنہ وفات، اور خاص طور پر اس کی زندگی کے آخری زمانے کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ درمیانی زندگی کے حالات کے کچھ واضح نقوش ضرور مل جاتے ہیں۔

قطب شاہی تاریخوں اور تذکروں میں یا ہم عصر شاعروں اور خود غواصی کے کلام سے اس کی زندگی کے بارے میں اب تک جو کچھ مواد مل سکا ہے اسے ڈاکٹر زور نے "اردو شہ پارے" اور "کلیاتِ غواصیؔ" کے مقدمہ میں، مولوی نصیرالدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" میں میر سعادت علی رضوی نے "سیف الملوک و بدیع الجمال" اور "طوطی نامہ" کے مقدمہ میں اور ڈاکٹر غلام عمر خاں نے "مینا ستونتی" کے مقدمہ میں یکجا کر دیا ہے

ڈاکٹر زور "اردو شہ پارے" میں رقمطراز ہیں:۔

"یہ (غواصی) ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا اور عمر میں وجہی سے چھوٹا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں اسکی شاعری نے اس وقت جبکہ وہ وجہی کا حریف بن چکا تھا۔

اس کو مشہور کیا۔[1]

مولوی نصیر الدین ہاشمی "دکن میں اردو" میں لکھتے ہیں:۔

"سلطان محمد قطب شاہ کے زمانے میں اس کی شاعری چمکی اور سلطان عبداللہ کے عہد میں اس کو شاہی تقرب حاصل ہوا۔ اور بڑی عزت و شوکت حاصل ہوئی"[2]

میر سعادت رضوی "طوطی نامہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"غواصی کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ وہ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا ہوگا اور محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں شاعری شروع کی ہوگی اس کی ابتدائی زندگی عسرت میں بسر ہوئی وہ سرکاری ملازم تھا اور یہی اس کی گذر بسر کا ذریعہ تھا۔"[3]

ڈاکٹر غلام عمر خاں "مینا ستونتی" کے مقدمہ میں یوں رقمطراز ہیں:

"غواصی، وجہی اور محمد قلی کے مقابلے میں کم عمر تھا۔ قیاس ہے کہ عہد محمد قلی (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۵ء) کے نصف آخر میں یعنی سولھویں صدی کے ربع اوّل میں اس نے مشق و مزاولت کی بدولت شعر گوئی میں مہارت حاصل کر لی تھی، اور تدریجی طور پر اسے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد اور اپنے

---

[1] ۔ ڈاکٹر زور۔ اردو شہ پارے ص ۱۰۴

[2] ۔ نصیر الدین ہاشمی۔ دکن میں اردو ص ۹۷

[3] ۔ میر سعادت علی رضوی طوطی نامہ، ص ا

کمالِ فن کا شدید احساس پیدا ہوتا گیا۔[1]"

مندرجہ بالا حوالوں کی مدد سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ غواصی ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا۔ عمر میں وجہی اور محمد قلی قطب شاہ سے چھوٹا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی عسرت میں بسر ہوئی۔ شاہی تقرب سے قبل وہ سرکاری ملازم تھا۔ عہد محمد قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۵ء) میں اس نے شاعری کا آغاز کیا اور مشق و مزاولت کی بدولت ایک پختہ کار شاعر بن گیا۔

غواصی کو اپنے کمالِ فن کا شدید احساس تھا اور شاعری میں وہ کسی کو اپنا ہمسر تسلیم نہیں کرتا اس کی اعلیٰ صلاحیتوں اور شاعرانہ کمال کی وجہ سے گولکنڈہ کے ملک الشعراء وجہی کی بڑھتی ہوئی شہرت ماند پڑ گئی تھی وجہی سے اسکے کچھ شاعرانہ معرکے بھی رہے ہیں۔ وجہی نے "قطب مشتری" میں اپنے نوجوان ابھرتے ہوئے ہم عصر شاعر پر واضح طور پر طنز کیا ہے۔

سو طوطی منج ایسا ہندوستان میں ــــ نہ پنجے نہ پنجیا ہے گن گیان میں
رہیاں ٹھک ہو قمریاں خراسان کیاں ــــ کہ باتاں یو سن کر مری گیان کیاں
سو منج تے طرز شعر کا پائینگے ــــ جتے شاعراں شاعر ہو آئینگے

....

کہ پانی ہو گئے موتی سیپیاں منے ــــ گہر یو مرے یوں لگے جھمکنے
تو یک گوہر اس دھات امولک نہ پائے ــــ اگر غوطے لک برس غواص کھائے
یو موتی نہیں دو جو غواص پائیں ــــ یو موتی نہیں وو جو کس ہات آئیں

۱۔ ڈاکٹر غلام عمر خاں، مینا ستونتی ص ۵

غواصاں کتے غوطے کھا کھا کر	ہوئے ہیں سو اس سمد میں آئے کر

غواصی نے اپنی مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" میں اس کا جواب اس طرح دیا ہے ؎

بچن کے سمند کا ہوں غوّاص میں	دھرنہار ہوں موتیاں خاص میں
جگت جوہری سب مرے پاس آئے	مرے خاص موتیاں کوں جیو کر لجائے

....

مرا دل خزینہ جوں معمور ہے	بچن کے جواہر سوں بھرپور ہے
مرا گیان عجب شکرستان ہے	جو اس تھے مٹھا سب ہندستان ہے
جتے ہیں جو طوطی ہندوستان کے	بھکاری ہیں منج شکرستان کے
شکر کھا مرے شکرستان تھے	میٹھے بول اٹھے او اپس گیان تھے
جو میں ہم سوں طبع آزمائی کروں	تو ساریاں اُپر پیشوائی کروں
سکے کون ملنے مرے طور میں	کہ رستم ہوں میں آج کے دور میں

اِس معرکہ آرائی اور طعن و تشنیع کے باوجود غواصی نے اپنے بوڑھے ہم عصر شاعر کا ذکر ایک قصیدے میں اس طرح کرتا ہے۔

اِس دکھن کے شاعراں میں تج شہنشاہ کے نزیک
ہے غواصی ہور وجیہی شاعر حاضر جواب

غواصی نے اپنے کلام میں کہیں بھی اپنے پیشرو یا ہم عصر دکھنی شعراء کو اپنا اُستاد سخن تسلیم نہیں کیا۔ جبکہ اس دور کے دوسرے بلند پایہ شاعروں نے اپنی تصانیف میں گذرے ہوئے یا ہمعصر شاعروں کا ذکر نہ صرف عزّت و احترام سے کیا ہے بلکہ ان کو کامل الفن اور اپنا اُستاد سخن تسلیم کیا ہے۔

مثلاً وجہی نے "قطب مشتری" میں اپنے پیشرو دو شاعروں محمود اور فیروز کے کمال فن کی بیحد ستائش کی ہے اور ان سے اپنی مثنوی کی داد کا طلبگار رہے۔ یہی حال ابن نشاطی کا بھی ہے جس نے اپنی مثنوی "پھول بن" میں قدیم اردو کے چار عظیم المرتبت شاعروں کی استادی کو تسلیم کیا ہے جنکے نام یہ ہیں۔

۱- فیروز ۲- سید محمود ۳- ملا خیالی ۴- شیخ احمد-

ان شواہد سے گمان غالب ہے کہ غواصی نے کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی اور نہ وہ کسی کو اپنا استاد یا مد مقابل سمجھتا تھا۔

غواصی نے بادشاہ وقت محمد قلی قطب شاہ کی غزلوں کے مقابلے میں انہیں زمینوں میں غزلیں کہی ہیں، جو محمد قلی کی غزلوں کے مقابلے میں قطعی طور پر فوقیت رکھتی ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں اسکو کوشش کے باوجود دربار میں رسائی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ شاید اسی لیے اس نے بادشاہ کی غزلوں کے جواب میں غزلیں لکھنے کی جرأت کی تھی۔

محمد قلی کی وفات کے بعد سلطان محمد قطب شاہ تخت نشین ہوا اس بادشاہ کو شعر و ادب سے خاص لگاؤ نہیں تھا۔ اس دور کے اہل کمال کے لئے محمد قطب شاہ کا عہد حکومت سازگار نہیں تھا۔ غواصی نے "سیف الملوک و بدیع الجمال" کے حسب ذیل اشعار میں اپنی مفلسی کسمپرسی اور ناقدری کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

کہ غمگیں ہوں میں سخت سنسار تھے دھروں دغدغے لاک اس آزار تھے
پریشانگی ہیں جیا خیال میں لے آیا ہوں ایسے رتن ڈھال میں

جو ہو گی تول شہ سیتی فرح یاوں — تو اس تھے رتن خاص دھنڈ دھنڈ لیاں
اگرچہ ہوں شہ کے بندیاں میں حقیر — ولے شعر کے فن میں ہوں بے نظیر

سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں شاعروں اور ادیبوں کی ناقدری کا اندازہ اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ غواصی نے جہاں اپنی مثنوی "طوطی نامہ" میں عبداللہ قطب شاہ کی مدح کی ہے۔ وہیں خاص طور پر اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ :-

"جو شاعر کنج عزلت کے گوشہ نشین ہو کر نیم مردہ ہو گئے تھے وہ تیرے دور میں پھر سے زندہ ہو گئے اور بحر گمنامی میں ڈوبے ہوئے صاحبانِ فضل و کمال تیر کر پھر ساحل شہرت پر نکل آئے۔ سب لوگ سمجھنے لگے کہ گویا شاعروں کا قدردان اور دلدادہ محمد قلی پھر دنیا میں آگیا۔[۱]"

غواصی نے اپنی مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" عہد سلطان محمد قطب شاہ میں تصنیف کی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس مثنوی میں بادشاہ وقت کی مدح میں اشعار ملتے ہیں ؂

سو سلطان محمد قطب شاہ گنبھیر — جگ آدھار ہے ہور جگ دستگیر

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدح غواصی نے محض ضابطہ کی تکمیل کے لیے لکھی تھی، چنانچہ اس نے عبداللہ قطب شاہ کی تخت نشینی کے بعد مدح کے اشعار میں محمد قطب شاہ کی جگہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کا نام تبدیل کر کے دربار شاہی میں پیش کیا تھا، شاید اسی لیے

۱؎ ڈاکٹر زور۔ کلیاتِ غواصی ص ۸

اس کے بعض نسخوں میں سنہ تالیف ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء اور بعض میں ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء درج ہے۔ تبدیل شدہ شعر یہ ہیں:۔

جو سلطان عبداللہ آفاق گیر سو لکھن شہنشاہ گردوں سرپر
چندا جو دواں خسروی برج کا امولک رتن حسن کے درج کا
سکل بادشاہاں ہیں اس کا ہے ناؤں اس قطب کا قطب تارا ہے چھاؤں

سلطان عبداللہ قطب شاہ شعر و ادب کا قدر داں اور ایک خوشگو شاعر تھا، اس نے نہ صرف یہ کہ غواصی کی سرپرستی کی بلکہ اس کو اپنے دربار کا ملک الشعرا بھی مقرر کیا۔ شاہی دربار سے متعلق ہوتے ہی غواصی کے دن پھرے اب وہ صرف ایک شاعر کی حیثیت ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ معاملات سلطنت میں بھی دخیل تھا۔ اس کے قصیدوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسے ایک معتبر درباری کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ وہ اپنے قصائد میں حکام سلطنت کی کوتاہیوں کی طرف بادشاہ کی توجہ مبذول کراتا ہے۔ اور اس کو ضروری مشورے بھی دیتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں بعض عہدہ داروں نے رشوت ستانی کا بازار گرم کر رکھا تھا جس سے بادشاہ بے خبر تھا۔ غواصی ایک با اعتماد مشیر کی طرح خاصی تفصیل سے اس صورت حاصل کا ذکر ایک قصیدہ میں اس طرح کرتا ہے ؎

ہر کام میں کر حر کتاں بے شک و لیتے رشوتاں
ہیں یو بڑے بے دولتاں جم راج کرائے راج توں
بر دانیاں کو توڑیو چھوچیاں کوں لیا لیا جوڑیو
لشکر سے سب کوں پھوڑیو جم راج کرائے راج توں

بولمحداں جب تجھے ملے تب تجھے نہیں یاں کچھ ملے
انپیچ میں توں سمجھ لے جم راج کرا ے راج توں
تج دور میں موکھول ہیں بولیا ہوں نادر بول میں
جوہر اموک رول میں جم راج کرلے راج توں

عبداللہ قطب شاہ نے غواصی کو "فصاحت آثار" کا لقب بھی عطا کیا تھا۔ جس طرح بعد کے زمانے میں داغ دہلوی کو "فصیح الملک" اور جلیل مانک پوری کو "فصاحت جنگ" کے لقب سے نوازا گیا تھا اسی طرح ملک الشعراء غواصی کو سب سے پہلے "فصاحتِ آثار" کا لقب عطا کیا گیا۔ جس کا ذکر اس نے ایک قصیدے میں اس طرح کیا ہے

ہزار شکر جو خوش ہو کے بوشہ عارف
خطاب منج کوں دیا ہے "فصاحت آثاری"

۱۶۳۵ء میں محمد عادل شاہ والیٔ بیجاپور نے اپنے وزیر خواص خاں کی خودسری سے تنگ آکر اس کی سرکوبی کے لئے عبداللہ قطب شاہ سے مدد چاہی تھی اور ملک خوشنود کو اپنے سفیر کی حیثیت سے گولکنڈہ بھیجا تھا۔ اس سفارت کے جواب میں سلطان عبداللہ قطب شاہ نے اپنے دربار کے ملک الشعراء غواصی کو اپنے سفیر کی حیثیت سے ملک خوشنود کے ہمراہ بیجاپور روانہ کیا۔ بیجاپور میں غواصی کی بڑی آؤ بھگت کی گئی اور جب وہ گولکنڈہ واپس ہو رہا تھا تو اس کے ساتھ "ایک بڑا ہاتھی، چھ عراقی گھوڑے اور دو بیش بہا تحائف سے بھرے ہوئے صندوق بطور تحفہ روانہ کئے گئے"۔[۱]

۱۔ ڈاکٹر زور: مقدمہ کلیاتِ غواصی ص ۱۰

بیجاپور میں قیام کے دوران غواصی نے اپنی غیر معمولی قابلیت اور کمال فن کا ایسا مظاہرہ کیا کہ وہاں کے ملک الشعراء نصرتی اور مقیمی نے اپنی تصانیف میں غواصی کا ذکر بڑی عزت و احترام سے کیا ہے۔

غواصی نہ صرف دبستانِ دکن کا ایک مقبول ترین شاعر تھا بلکہ اسکی شاعرانہ عظمت کے چرچے شمالی ہند میں بھی ہونے لگے۔ چنانچہ قیام الدین قائم، میر تقی میر اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں غواصی کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اس عہد کے دوسرے بلند پایہ شعرا مثلاً وجہی اور محمد قلی قطب شاہ ان تذکروں میں جگہ نہ پا سکے[1]۔ غواصی کو اپنی شہرت کا بخوبی احساس تھا۔ وہ کہتا ہے ؎

ضرب علی ہیں پور ہوں میراں کیرا منظور ہوں
غواص ہو مشہور ہوں اس سلطنت کے بھار میں

طوطیاں سب ہند کے رغبت کریں تیوں آج خوش
شکرستاں ہو غواصی شکر افشانی کیا

غواصی ایک مردِ قلندر اور آزاد منش انسان تھا۔ وہ فقر میں شاہی کرنے کے گر سے بخوبی واقف ہے، اور دنیا کی رنگ رلیوں کے مقابلے میں خلوت نشینی کو ترجیح دیتا ہے ؎

فقر میں کرتا ہوں شاہی اے غواص
تو نکو یوں جان جو مفلس ہوں میں

---

[1] ڈاکٹر غلام عمر خاں۔ مینا ستونتی (قدیم اردو جلد اول) ص ۹

ہمن عاشقِ دیوانیاں کوں چھپلے کسوتاں کیا کام
ہمن دبلے فقیراں کوں دنیا ہور دولتاں کیا کام
جکوئی خلوت نشیں ہے آج اسے بازار تھے کیا حظ
گلی میں یار کے رہنہار کوں گلزار تھے کیا حظ
غواصی کے نمن ہو توں قلندر آج اے عابد
بڑی اس ٹوکری ایسی تجے دستار تھے کیا حظ

غواصی کی خواہشیں غواصی نے ایک غزل میں اپنی چودہ تمناؤں کا اظہار کیا ہے، اور خدا سے استدعا کی ہے کہ اس کی حسب ذیل چودہ اُمیدیں بر آئیں۔

(۱) توفیق حق (۲) تندرستی اور درازیٔ عمر (۳) عشقِ الٰہی (۴) عفو گناہ (۵) عاقبت بخیر (۶) دین و دنیا میں بلند مدارج (۷) امن اور فراغ دلی (۸) فراخ دستی (۹) وصل محبوب (۱۰) غزل میں جادو بیانی (۱۱) اجابت دُعا۔ (۱۲) دستگیری ائمہ اثنا عشر (۱۳) مقہوری اعدا (۱۴) نظر عنایت چہاردہ معصومؑ

اول امید مرے دل میں ہے یہی ہر سات ۔۔۔ جو نت رفیق ہو توفیق حق اپھے منج سات
دوجی اُمید یہی ہے جو تندرستی سوں ۔۔۔ منج اس جہاں میں خدا دیوے بیشمار حیات
بڑی اُمید سو تیسری سدا خدا کا عشق ۔۔۔ مرے سینے میں جھلکتا اچھے سورج کی دھات
امید چوتھی یہی ہے جو سیئات تھے حق ۔۔۔ نجات دے کے عنایت کرے مجھے حسنات
لیے ملام مرے من میں پانچویں اُمید ۔۔۔ جو عاقبت کرے محمود واہب البرکات
چھٹی اُمید سو یو ہے جو دین و دنیا میں ۔۔۔ زیادہ ہوئے سدا دن بدن مرا درجات
ہم اس ٹیک تھے کہوں کھول سات ویں امید ۔۔۔ جو امن اور فراغت اچھے منجے دن رات

خدا کے لطف تھے اُمید آٹھویں یوں ہے ۔۔۔ جیوں آفتاب اچھے جم بلند میرا بات
نویں اُمید سو دھرتا ہوں اس سند سوں جو ۔۔۔ اچھے مکرم مسئوں یار ہو ستارے سات
جتنے تلک ہے مری یو امید دسویں سو ۔۔۔ جو روح بخش اچھے ہر غزل میں میری بات
ہے اس طریق سوں امید اکارویں میری ۔۔۔ جو مستجاب ہوے ہر گھڑی میرا دعوات
امید بارویں یو ہے جو منج کوں بارہ امام ۔۔۔ ہو دستگیر دیویں ذوق ہور صحت ذات
امید تیرویں یو جو اچھو ندی مقہور ۔۔۔ بحق ساقی کوثر علی علیہ صلوات

اُمید چودویں یو ہے جو منج غواصی پر
دیا سو چہار دہ معصوم کا اچھے ہر سات [۱]

غواصی نے اپنے کلام میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کو "جگت گرو" کہا ہے اور اس سے اپنے اشعار کی اصلاح کا متمنی ہے۔ لیکن تاریخ سے اس کی کوئی توثیق نہیں ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے غواصی نے اس قسم کے اشعار محض بادشاہ وقت کو خوش کرنے کے لیے لکھے تھے۔

شاہ عبداللہ جگت گر جو طرح اس غزل کا
پیدا کئے سو الحق ہوے جرأت جڑے ہیں
دریا گن گیان کا ہے توں کدھیں اصلاح دیتا جا
اگر کہیں کچ غلط ہوئے غواصی کے بچن میانے

غواصی کی کنیت

چند سال قبل مولوی سخاوت مرزا نے اپنے ایک تحقیقی مضمون "ملک الشعراء غواصی اور اسکا کلام" میں جو "اورینٹیل کالج میگزین" نومبر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا تھا غواصی کا

[۱] دیوان غواصی (مخطوطہ نمبر ۱۳۷) اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد۔

نام شیخ حسین بہاء الدین لکھا ہے جو صحت پر مبنی نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کو "نصاب الاحتساب" کے کاتب شیخ حسین بہاء الدین کے لقب غواصی سے غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے متذکرہ کاتب کو گولکنڈہ کا ملک الشعراء غواصی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر جمال شریف نے بھی ایک تحقیقی مضمون "غواصی کا نام" مطبوعہ "سب رس" جنوری ۱۹۶۶ء میں سخاوت مرزا کی اس تحقیق کو مدلل طور پر غلط ٹھہرایا ہے۔ ڈاکٹر جمال شریف نے اپنے مضمون کے آخر میں غواصی کی دو رباعیاں نقل کی ہیں۔ ان میں دوسری رباعی بعنوان "رباعی ابو محمدؐ" لکھی گئی ہے۔ اس لئے انہوں نے قیاس ظاہر کیا ہے کہ یہ غواصی کا نام یا کنیت ہے۔ رباعیاں درج ذیل ہیں:۔

"رُباعی غواصی"

عاشق کوں اہانت نہ کر اندیش کہ دیک
باطن میں ہے جیوں شیر نہ کر میش کہ دیک
جس ہات پکڑ عشق سرافراز کیا
سلطان کر اس جان نہ درویش کہ ایک

"رُباعی ابو محمدؐ"

پتلی کوں ترے نانو جو برجیس رکھیا
مہتاب ترے پالو پہ آسیس رکھیا
تج ناز بھرے انک کے سنگار بدل
سرے کے نمن جیو کوں میں پیس رکھیا

راقم نے یہ دونوں رباعیاں مولوی احمد خاں درویش کی ایک نوٹ بک میں بھی دیکھی ہیں، جس کو مولوی صاحب نے۔ کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ (بیجاپور) کی ایک بیاض (بیاض نمبر ۴) سے نقل کیا ہے۔ مندرجہ نقول میں بھی دوسری رُباعی بعنوان "رباعی ابو محمد" درج ہے۔ راقم نے غواصی کے کلیات کے مخطوطہ کی چھان بین کی جو کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ یہ دونوں رباعیاں کلیات کے صفحات ۶۱، ۶۲ میں بھی موجود ہیں۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ "ابو محمد" غواصی کی کنیت ہے اور ممکن ہے کہ جب ۱۶۳۵ء میں عبداللہ قطب شاہ نے غواصی کو اپنے سفیر کی حیثیت سے بیجاپور بھیجا تو وہ اسی کنیت سے مشہور ہوا ہو۔

غواصی کا سلسلۂ بیعت ڈاکٹر زور اور مولوی سخاوت مرزا کا خیال ہے کہ غواصی نے حضرت سید شاہ ابوالحسن حیدر ثانی سے بیعت کی تھی۔" کلیات غواصی" کے مقدمہ میں ڈاکٹر زور لکھتے ہیں:-

"غواصی کے پیرو مرشد سید شاہ ابوالحسن حیدر ثانی اولاد میں خواجہ بندہ نواز کی تھے۔ حیدرآباد میں محلہ حسینی علم میں رہتے تھے۔ ان کو پہلے مرغ بازی کا شوق تھا بعد کو اپنے خلیفہ شاہ ابوالحسن خاموش کی ایما پر ترک کر دی تھی ۱۰۸۹ھ میں وفات پائی" [۱]

مولوی سخاوت مرزا اپنے ایک مضمون "ملک الشعرا غواصی اور اسکا کلام"

---

[۱] ڈاکٹر زور (مقدمہ) کلیاتِ غواصی ص ۱۵

مطبوعہ اُردو سہ ماہی (اکتوبر ۴ ۱۹۵ء کراچی) میں غواصی کے مُرشد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"قیاس غالب ہے کہ غواصی ریاست حیدرآباد کے قدیم دارالسلطنت بہمنیہ محمد آباد (بیدر) کے ایک مشہور بزرگ سیّد شاہ ابوالحسن علی من اللہ محمّد محمد الحسینی الملقب بہ حیدرِ ثانی (وفات ۱۰۸۹ھ) چشتی نبیرہ حضرت گیسو دراز (سیّد محمد حسینی) گلبرگوی کا مرید بھی تھا[1]"

مشکواۃ النبوت کے مصنف کے مطابق حضرت امین الدین ابوالحسن کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی طرح چھتیس لڑکے لڑکیاں (۱۰ لڑکے اور ۱۲ لڑکیاں) تھیں، اسی لئے آپ کو حیدرِ ثانی کہا جاتا ہے۔

"حضرت الیشان ہجدہ پسر و ہجدہ دختر بودند بنابراں لقب الیشان حیدرِ ثانی مشہور بود[2]"

حضرت شاہ ابوالحسن حیدرِ ثانی سلسلۂ چشتیہ سے تعلق رکھتے ہیں اس خصوص میں آپ کا سلسلۂ نسب اور سلسلہ رشدی (بیعت) ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ یہ شجرہ راقم نے مولوی سید فریدالدین صاحب سجّادہ درگاہ حضرت شاہ لگن سے حاصل کیا ہے۔

سِلسلۂ نسب

سید امین الدین ابوالحسن حیدرِ ثانی بن سید شاہ علی نورس

۱۔ مولوی سخاوت مرزا - ملک الشعرا غواصی اور اسکا کلام (اردو کراچی اکتوبر ۵۴ ۱۹ء) ص ۱۱۲ ۱۱۱

۲۔ مشکواۃ النبوت (مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ ۱۹۴ ص ب۳ ۵)

سیّد شاہ امین الدین ابوالحسن بن سیّد شاہ علی قطب الثانی بن سیّد شاہ عبدالمن اللہ حسینی بن سیّد شاہ کلیم اللہ بن سیّد شاہ ابوالفیض من اللہ حسینی بن سید یوسف عرف سیّد محمد اصغر حسینی الملقب بہ اعظم المشتاق بن محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز[1]

مشکوٰۃ النبوت کے مرتب رقم طراز ہیں:-

"حضرت شاہ ابوالحسن حیدر ثانی است رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب انوار الاخبار گوید حضرت ایشاں را صحیحاً از اولاد امجاد حضرت سیّد محمد حسینی گیسو دراز بودند ارادت مریدی و اجازت خلافت از پدر خود شاہ عبد من اللہ داشت و وی پدر خود شاہ من اللہ و وی از پدر خود سیّد محمد اصغر و وی از پدر خود سیّد محمد حسینی گیسو دراز[2]"

مولوی سید فرید الدین صاحب سجادہ درگاہ شاہ لگن کے یہاں ایک اور شجرہ بھی ملتا ہے، جس سے حیدر ثانی کے سلسلہ بیعت پر روشنی پڑتی ہے۔

سلسلہ رشدی (بیعت)

حضرت خواجہ خواجگان سیّد معین الدین حسن سنجری ثم اجمیری چشتی
وکیل الباب حضرت سید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی۔
حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر چشتی

---

[1] ماخوذ از شجرۂ کلاں مولوی سیّد فریدالدین صاحب سجادہ درگاہ حضرت شاہ لگن حیدرآباد۔

[2] مشکوٰۃ النبوت (مخطوط کتب خانہ آصفیہ ۱۹۴۰ء) ص ۵۳۰

حضرت خواجہ سیّد نظام الدین محبوبِ الٰہی بدایونی ثمہ دہلوی چشتی۔

حضرت خواجہ ابراہیم نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلوی چشتی۔

حضرت خواجہ محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز چشتی۔

حضرت سیّد شاہ ید اللہ حسینی چشتی۔

حضرت سیّد شاہ امین الدین ابوالفیض چشتی۔

حضرت خواجہ کلیم اللہ شاہ علی چشتی۔

حضرت سیّد شاہ ناصر الدین چشتی۔

حضرت سیّد شاہ ناصح الدین چشتی۔

حضرت سیّد شاہ شاہ علی قطب الثانی چشتی۔

حضرت سیّد شاہ معین الدین محمد چشتی۔

حضرت سیّد شاہ امین الدین چشتی۔

حضرت سیّد شاہ صدر الدین ثانی الملقب شاہ کلاں چشتی۔

حضرت سیّد شاہ علی حسینی چشتی۔

حضرت سیّد شاہ امین الدین ابوالحسن حیدر ثانی چشتی [۱]۔

مندرجہ بالا شجروں کے مطالعہ کے بعد راقم کا خیال ہے کہ حضرت سیّد شاہ ابوالحسن حیدر ثانی غواصی کے مرشد نہیں ہو سکتے! ایک تو اس لئے کہ حیدر ثانی سلسلۂ چشتیہ سے متعلق ہیں اور غواصی خود کو کھلے الفاظ میں قادری کہتا ہے۔

ہر سند قادری ہوں غواصی   یا بھلا یا بُرا جکچ ہوں ییں

دوسرے یہ کہ حیدر ثانی حضرت شاہ ابوالحسن کا لقب ہے،

---

[۱] ماخوذ از شجرہ کلاں مملوکہ مولوی سیّد فرید الدین صاحب سجادہ درگاہ حضرت شاہ لگن حیدر آباد۔

جبکہ غواصیؔ نے اپنے مرشد کا نام واضح طور پر حیدر لکھا ہے۔

اے پیر دستگیر جو حیدر ترا ہے ناتو   منج کوں کہاں دو جیب جو ہے تیوں تجے سرانو

مزید یہ کہ حضرت ابوالحسن حیدر ثانی کا سنہ وفات ۱۰۸۹ھ ہے جبکہ گمان غالب ہے کہ غواصی کی وفات سن ۱۰۶۰ھ سے پہلے ہو چکی تھی، چنانچہ مولوی نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں:۔

"افسوس ہے کہ وجہی کی طرح غواصی کا سنہ انتقال بھی معلوم نہیں ہوتا مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۰۶۰ھ کے پہلے اس کا انتقال ہو چکا تھا[۱]۔"

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں راقم کا خیال ہے کہ غواصی کے پیر و مرشد حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ ہیں جن کا وصال ۱۰۳۳ھ میں ہوا[۲] (مادہ تاریخ حیدر آخری ۱۰۳۳ھ) حضرت حیدر ولی اللہ حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد سے ہیں[۳] جو بالکلیہ قادری ہیں اور جنکی مدح میں دو مستقل نظمیں غواصی کے کلیات میں موجود ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:۔

قادر ہے توں قادر ہو آ منج جیو کے جیلان میں
قطبی ہے توں قطب ہو جھک منج نین کے اسمان میں
گر توں گدا غواص کوں شاہی دیا تو کیا عجب
کرنے گدا کوں پادشاہ قدرت ہے تج سلطان میں

---

[۱] مولوی نصیرالدین ہاشمی۔ دکن میں اردو صفحہ ۹۸
[۲،۳] شجرہ ملوکہ خاندانی حضرت سید حیدر نوراللہ صاحب سجادہ نشین حضرت سید شاہ کریم اللہ قادری بن حیدر ولی اللہ کاروان ساہو حیدرآباد۔

کہتے ہیں جس ولی کوں سلطان عاشقاں کا ۔ ہے آج غوث اعظم ایمان عاشقاں کا
بندہ ہے گرچہ عاصی کہتا ہوں بات خاصی ۔ ہے تج مدد غواصی سلطان عاشقاں کا

غواصی نے اپنے کلیات میں متعدد مقامات پر اپنے مرشد حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ کی مدح کی ہے ۔

حیدر جو میرا پیر ہے کر سرفرازی کی نظر
ہو آپ تیزی سار منج غواص کوں تیزی کیا

جکوئی کچ کئے تو کیا ہوتا غواصی وو خدا جانے
چتر پیو شاہ حیدر بن منجے دوسرا سنگاتی نئیں

ایک مستقل نظم اسی موضوع کے تحت لکھی گئی ہے :۔

اے پیر دستگیر جو حیدر ترا ہے نانو ۔ منج کوں کہاں وو حبیب جو ہے تیوں تجھ رانو
سارے موحداں ہیں سزاوار ہے منجے ۔ جو تج کہوں خدا و محمد کہ تج ہلانو
منگتا ہوں چھانو ہو کے ترے پانو تل اچھوں ۔ روزی کدھاں وو دیس ہو ویگا جو تجکوں پانو
مشتاق بہوت دن تھے ہوں دکھلا ترا جمال ۔ جو آنکھ کھول خوب نظر بھر تجے نجھانو
شکر خدا جو منج غواصی کے سیس پر ۔ بہتر کے سار عین ترے لطف کا ہے چھانو

غواصی کے مرشد سید شاہ حیدر ولی اللہ کے خوارقات میں ایک مستقل تصنیف موسوم بہ خوارق حیدری ہے جس کے تین نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ ایک کتب خانہ لطیفیہ (حضرت مکان ویلور) میں موجود ہے دوسرا نسخہ سجادہ صاحب درگاہ حضرت سید میراں شاہ حیدر ولی اللہ (کچی محل بیجاپور) کے یہاں ہے اور تیسرا پیر پاشاہ صاحب سجادہ نشین سید شاہ کریم اللہ بن سید شاہ حیدر ولی اللہ کے ہاں ہے۔

ذیل میں وہ شجرہ نقل کیا جاتا ہے جس سے غواصی کے سلسلۂ بیعت پر

روشنی پڑتی ہے۔

شجرۂ بیعت ملک الشعراء غواصی

خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔
اسد اللہ الغالب امیر المومنین حضرت ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔
اشرف الشہداء ابو عبد اللہ حسین ابن علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
حضرت امام علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
حضرت امام محمدؒ باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ۔
حضرت اسد الملت والدین ابو المحفوظ شیخ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت شیخ ضیاء الدین ابو الحسن سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
سید الطائفہ حضرت ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
حضرت شیخ کہف الدین ابو بکر محمدؒ شبلی رحمۃ اللہ علیہ۔
حضرت احمد عبد العزیز یمنی رحمۃ اللہ علیہ۔
حضرت شیخ عبد الواحد یمنی رحمۃ اللہ علیہ۔
حضرت شیخ ابو الفرح یوسف طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ۔
حضرت شیخ ابو الحسن علی القرشی الہنکاری رحمۃ اللہ علیہ۔
حضرت شیخ ابو سعید مبارک ابن علی مخرمی رحمۃ اللہ علیہ۔
امام المتصرفین محبوب سبحانی محی الدین حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت تاج الدین سید عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت عماد الدین سید ابو صالح نصر رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت سید ابی صالح موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت سید ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت سید نصیر الدین رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت سید محمد رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت سید حسن جیلانی مکیؒ المعروف بہ شاہ حسین بنیرۂ قادری۔

حضرت میراں سید حیدر ولی اللہ بغدادی (مزار نلنگہ ضلع بیدر)

ملک الشعراء ملا غواصی۔

مندرجہ بالا شجرہ راقم کو مولوی احمد خاں درویش کے توسط سے ملا ہے جس کو درویش صاحب نے علی محمد صاحب قادری عرف علی پاشاہ ساکن انا ہور سے حاصل کیا ہے۔ راقم نے اس کی تصدیق شجرہ مملوکہ خاندانی حضرت سید نور اللہ عرف پیر پاشاہ صاحب سجادہ نشین سید شاہ کریم اللہ قادری بن حیدر ولی اللہ سے بھی کی ہے۔

قلمی کلیات

غواصی کی تین مثنویاں یعنی مینا ستونتی، "سیف الملوک و بدیع الجمال" اور "طوطی نامہ" شائع ہو چکی ہیں۔ البتہ اس کا کلیات صرف انتخاب کی صورت میں چھپا ہے، اس لئے ذیل میں اس واحد و نایاب مخطوطہ کی تفصیل درج کی جاتی ہے کیونکہ یہ غواصی کی ایک اہم یادگار ہے۔

یہ مخطوطہ ۱۰×۷ تقطیع کے ۱۸۱ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر ایک صفحہ پر ۱۳

سطریں ہیں۔ تقریباً ۸۰ صفحات صحیح وسالم ہیں اور باقی میں سے کچھ کرم خوردہ اور کچھ ناقص الطرفین ہیں۔

پوری کتاب قدیم دیسی (دولت آبادی) کاغذ پر سیاہ روشنائی سے خوش خط، خطِ نسخ میں لکھی گئی ہے، پیشِ نظر مخطوطہ میں ۲۷۲ غزلیں، ۳۵ قصائد اور ۲۹ رباعیاں شامل ہیں۔ چونکہ منتشر اوراق کو یکجا کیا گیا ہے اس لئے یہ مخطوطہ ناقص الاول و آخر ہے۔

مخطوطہ کا آغاز اِن اشعار سے ہوا ہے:۔

......نظر سوں پرورده کر یو تازی پھول
ازل لگ کے دلیس عنایت کیا ہے مجھے ستار

.... گدھن نہ باسی ہوے ....
کہ جو تلک ہے جہاں جو تلک ہے مہکنہار

حسبِ ذیل اشعار سے مخطوطہ اختتام کو پہنچتا ہے ؎

مرتضیٰ کا مار دم دائم ہور اُس کی آل کا
جو دنیا ہور دین کا ہووے تجے روز ثواب

گر توں عارف ہے تو اس دو دلیس کے جینے منے
فکر کر ایسا جو نہ سیخ جلے نہ کباب

قلمی کلیات کی پہلی غزل کا مطلع یہ ہے ؎

اے دِل آرام بیں جدھر جاؤں دل کوں تیرے کنیچ پاس دھر جاؤں

مخطوطہ کی آخری غزل کا مطلع یہ ہے ؎

دنیا کے طمطراق تھے درمندگی بھلی یعنی زمیں کے سار سرافگندگی بھلی

مخطوطہ میں کتابت کی بعض خصوصیات جو دیگر مخطوطات میں بھی نظر آتی ہیں درجِ ذیل ہیں :-

۱- پوری کتاب میں "ک" اور "گ" میں فرق نہیں کیا گیا، یعنی "گ" پر دوسرا مرکز موجود نہیں ہے۔

۲- یائے معروف اور یائے مجہول میں بالکل امتیاز نہیں ہر جگہ ایک کے بجائے دوسری ملتی ہے۔ یہی حال ر، ڑ اور ت، ٹ کا بھی ہے۔

۳- بعض مقامات پر ہائے مخلوط کا استعمال نہیں ہوا مثلاً: دکھ کے بجائے دکہ، دیکھ کے بجائے دیکہ اور لکھ کی جگہ لکہ لکھا گیا ہے، حالانکہ ان تمام الفاظ میں ہائے مخلوط لکھنا چاہیئے تھی۔

۴- بعض اوقات الفاظ کو ملا کر لکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً عشق کا کی جگہ عشقکا، نہ کھینچ، کے بجائے نکھینچ اور جن ہیں، کی جگہ جنہیں وغیرہ۔

۵- بعض مقامات پر "کے" کی جگہ "کہ" کا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:-

ع:- عشقکی آگ میں جل کہ راک ہونا

ع:- ازما کہ دلکوں سائیں کے جو دیکھتا ہوں تو

۶- کسی دوسرے شخص کی کوئی تحریر یا اندراج کتاب کے اندر یا حاشیہ پر نہیں ملتا البتہ دو ایک مقامات پر کسی لفظ کو قلم زد کر کے اسی روشنائی سے دوسرا لفظ لکھا گیا ہے یا کسی لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مثلاً:-

اگر تج جن ~~میں~~ زلف غواص سیٹریا تو عجب کیا ہے

کہ تیرا جن ~~زلف~~ عقا لا ہو رہیا ہے شاہ بازاں کا

ع ہے منجے تج سوں ~~بہت~~ راز اچھوں

۷۔ قلمی نسخے کے اکثر مقامات پر اعراب لگائے گئے ہیں۔

۸۔ چونکہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ اسلئے اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ جس سے سالِ کتابت کا اندازہ ہوسکے یا کاتب کا نام معلوم ہوسکے پوری کتاب پر کہیں بھی کوئی مہر یا دستخط وغیرہ ثبت نہیں۔

کلیاتِ غواصی کے مخطوطہ میں بعض ایسی غزلیں بھی موجود ہیں جو محمدقلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ دونوں کے مطبوعہ دیوان میں اختلافِ تخلص کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ مرتب کلیات غواصی نے اِن غزلوں کو محمدقلی قطب شاہ یا عبداللہ قطب شاہ کی سمجھ کر مرتبہ کلیات میں شامل نہیں کیا۔ اِس قسم کی مخلوط غزلوں کے متعلق ہم کو ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے خیال سے متفق ہونا پڑتا ہے کہ "کلام الملوک کا کسی ملک الشعراء کے کلام میں گڈمڈ ہوجانا اس قدر قرین قیاس نہیں، جس قدر کہ ملک الشعراء کے کلام کا کلام الملوک کے ساتھ اختلاط حاصل کرلینا، کہ یہ تاریخ شعر کا ایک تکراری عمل رہا ہے۔ اِس لئے کلام کا وہ تمام حصہ جو غواصی اور محمد قلی قطب شاہ یا عبداللہ قطب شاہ کے درمیان مشترک ہے، اغلب یہی ہے کہ غواصی کے ذہن کی پیداوار ہے نہ کہ ان الموک کی"[۱]

مخلوط غزلوں کے مطلعے اور مقطعے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

غواصی (قلمی کلیات ص ۳۲)

پیابن پیالہ پیا جائے نا	پیا باج یک تل جیا جائے نا
دیوانے کوں پند کچ دیا جائے نا	غواصی نہ دے مج دیوانے کوں پند

۱ؔ۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں (قدیم اردو جلد دوم) غواصی کا نایاب کلام ص ۳۰۔ ۱م، ۱م۔۱م

غواصی (بیاض مملوکہ نجیب اشرف ندوی صاحب بحوالہ قدیم اردو جلد دوم)

پیا بن پیالا اچا جاے نا پیا باج پیالا پیا جائے نا
غواصی نہ دے تو اں دیوانے کوں پھند دیوانے کوں پھند تو کیا جائے نا

محمد قلی قطب شاہ (کلیات محمد قلی صفحہ ۲۳)

پیا باج پیالا پیا جائے نا پیا باج یک تل جیا جائے نا
قطب شہ نہ دے منج دیوانے کوں پند دیوانے کوں کچ پند دیا جائے نا

غواصی (قلمی کلیات ص ۳۴)

عشق میں جاناں کے ثابت اچھ توں اے جاں غم نہ کھا
عہد و پیماں دکھ درست اپنا یہاں ہاں غم نہ کھا
لاابالی اچھ سدا ہور ذوق کر غواصیا
ہے ترے سر پر قوی بارا اماماں غم نہ کھا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۶، ۱۷)

عشق میں جاناں کے ثابت اچھ توں اے جاں غم نہ کھا
عہد و پیماں دکھ درست اپنا یہاں ہاں غم نہ کھا
عبد لاصد تے نبیؐ کے داج کر توں ذوق سوں
ہے ترے سر پر قوی بارا اماماں غم نہ کھا

غواصی (قلمی کلیات ص ۲۱)

....

لٹکتی چال سوں جیوں سرو ڈلتی ہور ٹھمکتی آ
مدن کے جام کا جو ہے متا غواص اگر اس توں
امس میں لیانے منگتی ہے تو اے چنچل ہٹکتی آ

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۴۳، ۴۴)

چھبیلی چھند کے جیت کی سوں مدپی خوش ٹکتی آ
لٹکتی چال سوں جیوں سرو ڈلتی ہور ٹھمکتی آ
نبی صدقے مدن متوال عبداللہ راجے کوں
امس بن لیا نے منگتی ہے تو اے چنچل پیشکتی آ

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۰)

کلی ساکھول لبدا منج کنا ئے پھول کی ڈالا — پرم کے باغ کا لالہ ہے یا تج ہات میں پیالا
کسی کے چھند ہور چالے پہ ہرگز ریجھنا نیں ہو — غواصی کوں رجھایا آج تیرا چھند ہور چالا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۵۷، ۵۸)

کلی ساکھول لبدا منج کنائے پھول کی ڈالا — پرم کے باغ کا لالہ ہے یا تج ہات میں پیالا
نبی صدقے نوی جوانی کے تازے گل عذاراں میں — رجھایا شاہ عبداللہ کوں تیرا چھند بھریا چالا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۶)

گفتم کہ اے پری توں ہے فتنۂ زمانا — گفتا کہ راست گفتی اے گن بھری سُجانا
گفتم کہ کیست اینجا تیرا پران پیارا — گفتا کہ اے غواصی ہے توں مرا پرانا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۶۴)

گفتم کہ اے پری توں ہے فتنۂ زمانا — گفتا کہ راست گفتی اے گن بھری سجانا
گفتم کہ کیست اینجا تیرا پران پیارا — گفتا کہ شاہ عبداللہ ہے مرا پرانا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۲۷)

خدا پیغمبری دے کر محمدؐ کو جو سرجایا — فلک کل بر زمیں آیا جگ ایمان اس اپر لیایا
غواصی میں ہوں داس اسکا دھر لو دو جگ میں آس اسکا — بھنور ہو لیوں باس اسکا محمدؐ ہو منج ادبھایا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۲، ۳)

خدا پیغمبری دے کر محمد کو جو سر جا یا
فلک کل بر زمیں آیا جگ ایمان اس اپر لیایا
یں عبداللہ ہوں داس اسکا دھروں دو جگ میں آس اسکا
بھنور ہو لیوں باس اس کا محمد ہو منجے بھایا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۸)

......خلوت کا اول گمنے کوں جا گا دیکھنا
باطن کی انکھیاں سوں بزاں جو مکہ دکھا گا دیکھنا
غوّاص دل دریا منے پانے کوں موتی عشق کا
ڈبکی تو کھایا ہے نکل کاں کاں تھے آگا دیکھنا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۶۵، ۶۶)

سائیں سو خلوت کا اول گمنے کو جا گا دیکھنا
باطن کی انکھیاں سوں بزاں جو مکھ دکھا گا دیکھنا
صدقے نبی اے عبدلا تج عشق کے دریا میں دل
ڈبکی تو کھایا ہے نکل کاں کاں تھے آگا دیکھنا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۷)

ٹیلا.......... تیرا چندر سی پشانی کا
منج آنکھ تلیں جھلکے تارا ہو بہانی کا
تک رہ ترے مکھڑے سوں جھلتا ہے ادھر پر خوش
غوّاص جو موتی ہے دریائے معانی کا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ میں ۶۰، ۶۱)

ٹیلا شمعنی تیرا چندر رسی پیشانی کا	منج آنکھ تلیں جھلکیں تارا ہو بہانی کا
صدقے نبی اے پنچل آج اہل سخن مہانے	غواص ہے عبداللہ دریا میں معانی کا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۵)

علم مجنوں ہمن جن عشق بازی میں اچا سے نا
دو ہر گز عشق کے عالم تھے ذرا ذوق پا سے نا
پرم مدسات ماتا ہو یو باتاں عاشقی کے دو
کہیا جو ہے غواصی سو بغیر عاشق کوں بچا سے نا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۱۹، ۲۰)

علم مجنوں ہمن جن عشق بازی میں اچا سے نا
دو ہر گز عشق کے عالم تھے ذرہ ذوق پا سے نا
نبیؐ کے صدقے یک دل ہو یو باتاں عاشقی کے دو
کیا ہے عبداللہ سوں بغیر عاشق کوں بچا سے نا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۵)

کل منج پلائیا سو توں کیسا شراب تھا	کہنا منجے کہ منج منے تو کچ نہ تاب تھا
غواص کل وصال کی لذت تھے میرا دل	مقصود ہو مراد سوں خوش کامیاب تھا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۱۴، ۱۵)

کل منج پلائیا سو توں کیسا شراب تھا	کہنا کہ منج منے تو کچ نہ تاب تھا
صدقے نبی کے شاہ نول عبداللہ ہور آں	مقصود ہو مرادستی کامیاب تھا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۳)

جکوئی عاشق ہوا ہے ازل تھے اس پرانی کا — اسے پروا نہیں کچ دنیا کی زندگانی کا
غواصی عاشقی کرلا اُبالی ہور خوشحال اچھ — کہ تج پر سرفرازی کا نظر ہے اس پرانی کا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۳۷، ۳۸)

جکوئی عاشق ہوا یا ہے ازل تھے اس پرانی کا — سو پایا عین وو مایا حیاتِ جاودانی کا
نبی صدقے اے سلطان عبداللہ تو خوشحال اچھ — کہ تج پر سرفرازی کا نظر ہے اس پرانی کا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۲۹)

جن تجکوں ایسا روپ دے اپروپ کر پینجا گیا
تج گال کالٹ شام میں کیا خوب دیوا لائیا
تج سات اے سودھن سگھڑ غواص ساری رات لڑ
تج جوبناں کی دوئی گڑ خوش دست کر بل کا گیا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۲۰، ۲۱)

جن تجکوں ایسا روپ دے اپروپ کر پینجا گیا
تج گال کالٹ شام میں کیا خوب دیرا لائیا
صدقے نبیؐ اے فتوح الھڑ شاہ عبدالا بھوگی سگھڑ
تج جوبنا کی دوئی گڑ خوش دست کر بل کا گیا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۲۷)

تج کان پر جھمکتا جوتی وو گوشں پارا — دستا ہے منج ثریا کا عین جیوں ستارا
...... کرم خوردہ .... — ...... کرم خوردہ ....

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۲۴، ۲۵)

تج کان کا جھمکتا موتی وو گوشیارا ۔۔۔ دستا ہے منج ثریا کا عین جیوں ستارا
صدقے نبی کے حامی شاعبدلا وصالی ۔۔۔ عاشق ہے تیرا بالی ہم جیو کا ہے پیارا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۲۶)

سندر سکیاں ہو دیکھو اس لال کا جمالا ۔۔۔ جس لال کے بھنواں کا ہے عکس چاند بالا
تحقیق کر سمج آج امرت تھے اے غواصی ۔۔۔ فاضل ہزار جاگا پیو کا ادھر ہے آلا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۵۹)

سندر سکیاں ہو دیکھو اس لال کا جمالا ۔۔۔ جس لال کے بھنواں کا ہے عکس چاند بالا
صدقے نبی کے کیتی ہوریں سنو سکیاں ہو ۔۔۔ سلطان عبدلا سو منج جیو کا ہے لالا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۲۶)

توں اجھوں کونلی ہے بالی سرو جیوں تیرا ہے بالا
گال تیرے اس پہ دستے عین جیوں آچھے گلالا
صد ہزاراں شکر جو غواص کی انکھیاں کو تازا
ہر گھڑی دیوے مقابلے مثل یو تیرا اجالا

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص ۵۴، ۵۵)

توں اجھوں کونلی ہے بالی سرو جیوں تیرا ہے بالا
گال تیرے اس پہ دستے عین جیوں آچھے گلالا
شاہ عبداللہ جو ہے حضرت نبی کا سیو کی
ہر گھڑی صلوات بھیجے دیکھ کر تیرا اجالا

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۹)

کاں ہے وو قدرت جو دیکھے تج کدھن گھورا آفتاب
گرچہ اپنے حسن میں ہے آج مغرور آفتاب
عاشقِ جاں باز غواص اے سکی تج عشق منیں
یوں ہوا مشہور جگ میں جیوں ہے مشہور آفتاب

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۸۸، ۸۹)

کاں ہے وو قدرت جو دیکھے تج کدھن گھورا آفتاب
گرچہ اپنے حسن میں ہے آج مغرور آفتاب
شاہ عبداللہ نبی کے صدقے تیرے عِشق میں
یوں ہوا مشہور جگ میں جیوں ہے مشہور آفتاب

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۳۹)

اے پری پیکر ترا مکھ آفتاب دیکھتا ہوں نور ہے نہ منج میں تاب
دل کی انکھیاں سوں نجھا غواص تج خوب رویاں میں کیا ہے انتخاب

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۸۹، ۹۰)

اے پری پیکر ترا مکھ آفتاب دیکھتا ہوں نور ہے نہ منج میں تاب
شاہ عبداللہ نبی صدقے تجے خوب رویاں میں کیا ہے انتخاب

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۴۰)

گر خدا بینی یہ ہے تیرا نظر اے کامیاب تو خودی کا دور کر ادل توں میانے تھے حجاب
راز کیاں باتاں اگر منگتا ہے توں مج کچ پوچھنے بوج آ غواص تھے ہے شاعر حاضر جواب

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۹۰ ‘ ۹۱)

گر خدا بینی پرہے تیری نظر اے کامیاب ۔۔۔ توں خودی کا دور کر اول توں میانے تھے حجاب
راز کیاں باتاں نبی کے صدقے پوچھیگا اگر ۔۔۔ شاہ عبداللہ کوں پوچھ آگہ ہے حاضر جواب

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۴۰)

عشق تیرا شور اچایا آج مج من میں عجب ۔۔۔ یعنی عاشق کوں رجھانے کے اہے فن میں عجب
ایک دل یکجہت سوں غواصی لگایا دل تسوں ۔۔۔ مہر ہور یاری محبت دیکھ تجہ دھن میں عجب

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۹۱ ‘ ۹۲)

عشق تیرا شور اچایا آج مج من میں عجب ۔۔۔ یعنی عاشق کوں رجھانے کہ ہے توں فن میں عجب
شاہ عبداللہ نبی کے صدقے دل لایا تسوں ۔۔۔ مہر ہور یاری محبت دیکھ تجہ دھن میں عجب

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۴۰)

مطلع خوبی سو تیرا گال ہے اے ماہتاب ۔۔۔ مطلع اس خوبی سوں بولیا ہوں جو نئیں اس کوں جواب
مدعا بولیا مرا اسے رنگ راتی لے دعا ۔۔۔ ہر گھڑی غواص عاشق کا کہے تج لئی صواب

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۹۴ ‘ ۹۵)

مطلع خوبی سو تیرا گال ہے اے ماہتاب ۔۔۔ مطلع اس خوبی سوں بولیا ہوں جو نئیں اس کوں جواب
مدعا بولیا مرا صدقے نبی کے لے دعا ۔۔۔ شاہ عبداللہ کا دائم کرہے ئی تج صواب

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۴۰)

عجائب یو تجلی دیکھ ترے مکھ عجب کا سب
ہوا ہے لوگ دیوانہ عجم کا ہور عرب کا سب
ترے لب کے مٹھے گڑ کا بقال ہوا ہے غواصیؔ
لیا بھر من کی دکاں میں مٹھا گڑ تیرے لب کا سب

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۹۵، ۹۶)

عجائب یو تجلا دیکہ تیرے مکہ عجب کا سب ہوا ہے لوگ دیوانہ عجم کا ہور عرب کا سب
نبی کے صدقے عبداللہ شہ لاکھ آرزو سینی لیا ہے لوٹ کرائے دھن مٹھا گرو تیرے لب کا سب

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۴۱)

......اے محبوب آئے ہیں جیباں سب دکھا درسن جو ہوویں راک جل و شکوں رقیباں سب
غواصی کے نمن تجکوں سرانے نو انبر میانے فرشتے شاعراں ہو کر کئے ہیں تیز جیباں سب

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۹۶، ۹۷)

ترے درشن کوں آئے ہیں بہیباں سب دکھا درشن جو ہوویں الاکہ جل اشکوں رقیباں سب
نبی صدقے سرانے تج کوں شا عبدلا کے ممنے فرشتے شاعراں ہو کر کئے ہیں تیز جیباں سب

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۵۰)

اول امید مرے دل میں ہے یہی ہر سات جو نت رفیق ہو توفیق حق اچھے پنج سات
امید چودواں یو ہے جو منج غواصی پر دیا سو چہاردہ معصوم کا اچھے ہر سات

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۹۸، ۹۹)

اول امید مرے دل میں ہے یہی ہر سات جو نت رفیق ہو توفیق حق اچھے پنج سات
امید چودواں ہے شاہ عبدالا کا یہی جو مہر چہاردہ معصوم کا اچھے ہر سات

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۵۰)

آج زہے بخت جو آئی سعادت کی رات
چاند سوں میرے ملا غم تھے منجے دے نجات
بھول ہو کیوں نا کھلوں پیو کے کرم تھے غواص
ہات چڑی ہے مرے آج خوشی کی برات

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱)

آج زہے بخت جو آئی سعادت کی رات — چاند سوں میرے لا غم تھے منجے دے نجات
صدقے نبی کے مرے دل میں دھیا ہے مدام — جیو ہو شاہ عبدلا خسرو عالی صفات

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۵۱)

رنگ بھریا منج گھر میں آج آیا بسنت — غیب تھے تازا طرب لیایا بسنت

(غواصی کے مخطوطہ میں مقطع موجود نہیں ہے)

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۰۲)

رنگ بھریا منج گھر میں آج آیا بسنت — غیب تھے تازہ طرب لیایا بسنت
مصطفیٰ ہور مرتضیٰ کے صدقے آج — شاہ عبداللہ کو بھایا بسنت

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۴۹، ۵۰)

...... ناکہ ہر وضا توں مرے اسے نگار ہات
کرتا ہوں تج دعا میں اچا بار بار ہات
غواص عاشقاں میں کرے کیوں نہ ناز آج
تج سار کا چڑیا ہے ورشا ہوار ہات

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۰۳)

ہر کیوں مرا دل آج توں لے اے نگار ہات — کرتا ہوں تج دعا میں اچا بار بار ہات
صدقے نبی کے شکر کرے شاہ عبداللہ — تج سا چڑھیا دیکہ در شاہوار ہات

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۴۹)

بلغر توں اے سجن کوئی اتم ذات — نہ سمجھے کوئی میرے جیو کی بات
یقیں جان اے غواصی باج عاشق — سمج سکے نہ کوئی معشوق کا دھات

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۰۵)

لبغر توں اے سجن کوئی اتم ذات نہ سمجھے کوئی میرے جیو کی بات
نبی کے صدقے پرت لائی ہوں خوب سمج تج شاہ عبداللہ کا دھات

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۵۱)

دلکوں ترے پرت سوں لگیا دکھ مدام بحث
کرتے ہیں تن پہ جیب ہو روں روں تمام بحث
خلوت ہیں دل کے عالم بالا کے عارفاں
کرتے ہیں منج غواص ستی آمدام بحث

عبداللہ قطب شاہ (دایوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۰۹)

دل کوں تری پرت سوں لگیا دیکھ مدام بحث
کرتے ہیں تن پہ جیب ہو روں روں تمام بحث
صدقے نبی کے عالم بالا کے عارفاں
شاہ عبداللہ کنے تھے سیکیں آمدام بحث

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۵۲)

جیوں ترے موں تھے سنیاں اے شوخ شکر لب حدیث
دئیں کلیاں گم ہو گیا موں میچ سٹ دے سب حدیث
عشق کے سمدور کا غواص ہو آج اے نگار
تج زباں تھے سننے کا دھرتا ہوں میں مطلب حدیث

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۱۰)

جیوں ترے موں تھے سنیاں اُے شوخ شکر لب حدیث

ویں کلیاں گم ہو گیاں مو مینچ سٹ دے سب حدیث
شاہ عبداللہ ہو صدقے نبی کے ہر گھڑی
تج زباں تھے سننے کا دھرتا ہوں میں مطلب حدیث

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۵۲)

کام مرداں کے نکو جان توا ے خام عبث ۔ کہ جکوئی مرد ہیں کرتے نہیں وو کام عبث
عشق کے فن میں ماہر توں ہے ہو باج غواص ۔ عشق بازاں میں نہ کرا پیس پد نام عبث

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۱۱)

کام مرداں کے نکو جان ترا ے خام عبث ۔ کہ جکوئی مرد ہیں کرتے نہیں وو کام عبث
عشق کے فن منے صدقے نبی کے آج تلک ۔ شاہ عبداللہ ہوا نیں کدھیں بدنام عبث

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۵۲)

جدھاں لگ تج گھنگروالی لٹاں کوں شانہ ہے باعث
تدھاں لگ بے قراری پر یو دل دیوانہ ہے باعث
غواصی کو رجھا کر محو کرنے آج اے چنچل
ہزاراں چھند سوں تیرا نین مستانہ ہے باعث

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۱۱۳)

جدھاں لگ تج گھنگروالی لٹاں کو شانہ ہے باعث
تدھاں لگ بے قراری پر یو دل دیوانہ ہے باعث
نبی کے صدقے شاعبداللہ کے من کوں رجھانے آج
ہزاروں چھند سوں تیرا نین مستانہ ہے باعث

غواصی (قلمی کلیات صفحہ ۷۲)

معشوق دے جو اس تھے کچھ ذوق پاے عاشق
دیکھت جمال اس کا بے سد ہو جاے عاشق
معشوق دے جو اس کی چھند بند دیکھ تلتل
مطلق غواص نمنے حالت میں آے عاشق

عبداللہ قطب شاہ (دیوان عبداللہ قطب شاہ صفحہ ۹۳)

مطلوب دے جو اس تھے کچھ ذوق پاے طالب
دیکھت جمال اس کا بے سد ہو جاے طالب
مطلوب رے جو حیدر کے صدقے اسکی دھر تھے
شاہ عبدلا کے نمنے حالت میں آگے طالب

غواصی کی مثنویاں

جس طرح ۱۷۰۰ء کے بعد غزل کی صنف دوسری تمام اصناف پر مسلّط نظر آتی ہے، اسی طرح اردو شعر و ادب کے دکنی دور میں مثنوی کی صنف قدیم اردو کے شعرا کے نزدیک مقبول ترین صنفِ سخن تھی دبستان گولکنڈہ اور بیجاپور کے شعراء میں شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہو جس نے مثنوی پر طبع آزمائی نہ کی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ دبستان دکن کے شعرا کی بہترین صلاحتیں اسی صنفِ سخن میں ظاہر ہوئی ہیں۔

دکن میں مثنوی نگاری کا پس منظر

قدیم دکنی شاعری کا اولین ادبی کارنامہ نظامی بیدری کی مثنوی "کدم راو اور پدم راؤ" ہے۔ یہ مثنوی بہمنی خاندان کے نویں بادشاہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی (۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء تا ۸۳۸ھ/۱۴۳۴ء) کے عہد حکومت کی تصنیف ہے۔[1] چونکہ یہ قدیم اردو شاعری کا اولین نقش ہے اس لیے اس کی زبان ادق ہے، تاہم اس کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نظامی اپنے عہد کا ایک باکمال شاعر تھا۔

شاہ میراں جی شمس العشاق بہمنی دور کے ایک بڑے مصنف اور صوفی شاعر تھے۔ اس وقت تک آپ کی دو مثنویاں "خوش نامہ" اور "خوش نغز" دستیاب ہوئی ہیں۔ شاہ میراں جی حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے سلسلہ صوفیا سے ہیں۔

۱؎ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو جلد اول۔ مجلس ترقی ادب۔ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۶۲

انہوں نے اپنے بزرگوں کی طرح اپنی تصنیفات میں عام بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔

بیدر کے مشاہیر مثنوی گو شعراء میں اشرف بیابانی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے ۱۵۰۳ء میں ایک طویل مثنوی "نوسرہار" تصنیف کی ہے۔ چونکہ یہ مثنوی نو ابواب میں منقسم ہے، اس لیے شاعر نے اس مثنوی کا نام نوسرہار تجویز کیا ہے۔ اشرف نے خود اپنے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعر سے زیادہ صوفی مشرب تھے۔ مثنوی کا قصہ حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا کے واقعات پر مشتمل ہے "نوسرہار" قدیم اردو کی ایک اہم مثنوی ہے اگرچہ کہ یہ مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے لیکن اشرف کے شاعرانہ کمال کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے۔

قطب دین فیروز بیدری، بہمنی عہد حکومت کے آخری زمانے کا ایک باکمال شاعر تھا۔ اس کی تصانیف میں ایک مختصر مثنوی "پرت نامہ" کے علاوہ دو ایک غزلیں اور بعض غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔ فیروز کی مثنوی "پرت نامہ" جو ایک سو بیس اشعار پر مشتمل ہے اس نے اپنے مذہبی رہنما مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم (متوفی ۱۵۶۴ء) اور حضرت عبدالقادر جیلانی کی مدح میں لکھی ہے۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیروز نہ صرف ایک پرگو شاعر تھا بلکہ اسے تصوف سے بھی گہرا لگاؤ تھا، اور وہ اپنے زمانے کے قابل احترام صوفیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اگرچہ کہ فیروز کی دو ایک غزلیں اور مثنوی "پرت نامہ" کے علاوہ کوئی اور تصنیف دریافت نہیں ہوئی لیکن جس احترام سے گولکنڈہ کے بعد کے شعرا نے

فیروزہ کے شاعرانہ کمال کا تذکرہ کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ فیروز قدیم اردو کا مستند شاعر تھا اور شہر گولکنڈہ میں اردو شاعری کی شمع روشن کرنے کا سہرا فیروزہ ہی کے سر ہے۔ ذیل کے ایک مختصر اقتباس سے فیروز کی متذکرہ بالا مثنوی کی زبان اور اس کے کمال فن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

محی الدین ہیں دیکھ سر مجھیں دھرا
کیتی ٹھار بھی سیس یوں ہیں رکھیا

مجے بیٹے کی اشارت دیئے
مرید ہونے کی بشارت دیے

دیے دست پنجہ محی الدیں مجے
کئے پیار سوں ذکر تلقیں مجے

محی الدین ہم سونے میں آئیا
سو ہیں جاگ مخدوم جی پائیا

محی الدین مخدوم جی جاگنا
ہمیں جیر اسس ہیو سوں لاگنا

محی الدین ثانی سو مخدوم جیو
ارے جیو اس ہت پرم مد پیو

براہیم مخدوم جی جیونا
کہ مئے صرف وحدت سدا پیونا

دبستان گولکنڈہ کے اہم مثنوی نگار شعراء میں شیخ احمد گجراتی کا نام قابل ذکر ہے، اس کی دو مثنویوں "قصہ لیلیٰ مجنوں" (۱۶۰۰ء) اور "مصیبت اہل بیت" کا پتہ چلتا ہے۔ اول الذکر مثنوی کے چند منتشر اوراق محمود شیرانی کو دستیاب ہوگئے تھے جن کا تفصیلی ذکر انہوں نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں کیا ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر جمیل جالبی کو احمد کی ایک اور مثنوی "یوسف و زلیخا" دستیاب ہوئی ہے۔ یہ مثنوی تقریباً پونے چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے، جس کے مطالعہ سے شاعر کے حالات، وطن اور خلافت پر روشنی پڑتی ہے۔ احمد گجرات کا متوطن تھا جس کا ذکر اس نے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے۔

احمد دکن کے خوباں ہوتیاں ہیں پر ملاحت
تو توں دکن کوں اپنا گجرات کر کے سمجیا[1]

اس مثنوی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ احمد وجیہہ الدین علوی کا مرید تھا۔[2]

عاجز، محمد قلی قطب شاہ اور اسد اللہ وجہی کا ہم عصر اور قدیم اُردو کا ایک مشہور و مقبول شاعر تھا۔ اس نے ۱۶۳۳ء میں "لیلیٰ مجنوں" کے عنوان سے ایک دلچسپ مثنوی تصنیف کی۔ یہ مثنوی اپنے زمانے میں بہت مقبول رہی اور بعد کو قدیم اُردو کے بیسیوں شاعروں نے اس موضوع پر متعدد چھوٹی بڑی مثنویاں لکھی ہیں۔ "لیلیٰ مجنوں" کے درجِ ذیل اشعار عاجز کے شاعرانہ کمال کی نمائندگی کرتے ہیں ؎

پدر آ دیکھیا گھر میں مجنوں نہیں
پوچھا ہور کھایا پچھاڑی دہیں

اٹھا باٹ جنگل کی لے کر چلیا
دیکھیا ایک کنج میانے مجنوں ملیا

دکھیا پاؤں پر سیس رونے لگیا
جلیا تھا سو جنگل مینہہ سوں بجھیا

کہیا کون یو پند تج کوں دیا
مرا ملک ہور شہر غارت کیا

پوچھیا مجنوں توں کون کہہ کھول منج
کہیا میں پدر ہوں نہیں خام تج

پدر کس کہیں سو نہیں مج کوں فام
کیا ناؤں لیلیٰ کا دل میں مقام

پدر سن کہا، عشق محکم ہوا
بغیر ناؤں لیلیٰ نہیں اس دوا

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو جلد اول صفحہ ۲۳۲
[2] " " " " صفحہ ۲۳۳

قدیم اردو کے اہم مثنوی نگاروں میں وجہی، قطب شاہی عہد کا عظیم المرتبت شاعر گذرا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ نے اسے اپنے دربار کا ملک الشعراء مقرر کیا تھا۔ اس نے ۱۶۰۹ء میں ایک مثنوی "قطب مشتری" لکھی جو دلکش اسلوب اور اعلیٰ تخیل کی وجہ سے اردو کی تین بہترین مثنویوں میں شمار ہوتی ہے، جو علی الترتیب یہ ہیں: قطب مشتری، سحرالبیان اور "گلزار نسیم" لیکن جہاں تک شاعرانہ کمال کا تعلق ہے "گلزار نسیم کا" "قطب مشتری" سے کوئی مقابلہ نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ متعدد مقامات پر میر حسن کی مثنوی کے مقابلے میں وجہی کی مثنوی سبقت لے جاتی ہے۔

اس مثنوی میں وجہی نے محمد قلی قطب شاہ کو قصے کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ یہ قصّہ گویا محمّد قلی کی شہزادگی کے زمانے سے متعلق ہے۔ نوجوانی کے زمانے میں شہزادے کو بنگال کی شہزادی مشتری سے محبت ہو جاتی ہے۔ جسکی شکل اس نے خواب میں دیکھی تھی پھر وہ اس شہزادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے اور قدیم زمانے کے بیشتر قصوں کی طرح خطرناک مہمات سر کر کے بالآخر بنگال آپہنچتا ہے اور شہزادی مشتری سے بیاہ کر کے گولکنڈہ واپس ہو جاتا ہے۔ یہ ایک فرضی قصہ ہے جس میں دیوؤں پریوں کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن اس مثنوی کے مطالعہ سے محمّد قلی کے کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اس مختصر مثنوی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وجہی ایک پختہ مشق اور پر گو شاعر تھا۔ "قطب مشتری" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

شہنشہ مجالس کئے ایک رات وزیراں کے فرزند تھے سب سنگات
ہریک خوبصورت ہرایک خوش اتھا سو ہرایک دلکش ہریک دلربا

ہر یک خوش طبع ہور عاقل اچھے — ہر یک خوش فہم ہور فاضل اچھے
صراحی پیالے لے ہاتاں منے — ندیماں تے مشغول باتاں منے
لگے مطرباں گانے یوں ساز سوں — کہ دھرتی ہلی مست آواز سوں
جو مطرب دو صحرا ہیں اس دھاتاں گائے — تو پھران کوں اس شوق تے حال آئے
لگے مست ہو سٹے مستی سنگات — یکس گے سو پاواں اپر ایک ہات

سو یوں بیچ دو باراں ہوے بے خبر
کہ پانی پیتے تھے شراب ہے لگر

غواصی کی مثنویاں غواصی کی تین مثنویاں (۱) مینا ستونتی (۲) سیف الملوک و بدیع الجمال اور (۳) طوطی نامہ منظر عام پر آگئی ہیں۔ "مینا ستونتی" کو ڈاکٹر غلام عمر خاں نے مرتب کر کے سلسلہ مطبوعات قدیم اردو، شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کی جانب سے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ "سیف الملوک و بدیع الجمال" اور "طوطی نامہ" کو میر سعادت علی رضوی نے مرتب کر کے سلسلہ یوسفیہ کی جانب سے ۱۳۵۷ھ میں شائع کیا تھا۔

مینا ستونتی

قصے کا ماخذ مینا ستونتی کا قصہ ہندوستانی اصل کی ایک عشقیہ کہانی سے ماخوذ ہے گذشتہ چند برسوں میں اس مقبول عوامی کہانی کی ایک سے زائد ادبی شکلیں منظر عام پر آگئی ہیں۔ قدیم اودھی بھاشا میں داؤد کی "چنداین" اور میاں سادھن کی "میناست" بنگالی میں دولت قاضی کی

"ستی مینا ولور چندرانی" اور فارسی میں حمیدی کا "عصمت نامہ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

غواصی قصہ کے ماخذ کے متعلق رقمطراز ہے ؎

رسالہ اتھا فارسی یو اول   کیا نظم دکنی سیتے بے بدل

اس وقت تک فارسی میں اس قبیل کا صرف ایک ہی قصہ حمیدی کا "عصمت نامہ" منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ "عصمت نامہ" ہی "مینا ستونتی" کے قصہ کا ماخذ ہے۔ غواصی کی یہ مثنوی ایک فارسی قصہ پر مبنی ضرور ہے لیکن شاعر نے اصل قصے کا من و عن ترجمہ نہیں کیا۔ اس نے قصہ کا صرف ڈھانچہ مستعار لیا ہے، قصہ کی تفصیلات اور اس کے آب و رنگ میں غواصی نے آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال کیا ہے۔

قصے کا خلاصہ کسی شہر میں بالا کنور نامی ایک بادشاہ تھا۔ اس کی ایک حسین بیٹی تھی جس کا نام چندا تھا۔ ایک دن جب چندا اپنے محل کے غرفے میں کھڑی تھی، اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان چرواہا جس کا نام لورک تھا ریوڑ ہانکتا ہوا اپنے گھر واپس ہو رہا ہے چندا اس کے مردانہ حسن سے متاثر ہوئی اور ایک دن موقع پا کر اپنے دل کا حال اسے سنایا اور کہا کہ میں تجھے مال و دولت سے سرفراز کرنا چاہتی ہوں، ہم دونوں یہاں سے کہیں دور چلے جائیں گے۔ لورک نے جواب دیا کہ میری شادی ہو چکی ہے اور میری بیوی مینا بے پناہ حسن و جمال کی مالک ہے۔ چندا نے یہ کہہ کر طنز کیا کہ تو دیہات میں مفلسی کی زندگی گذارنے کا عادی ہے۔ تو نہیں جانتا کہ میں تجھے

کیسی نعمتوں سے نوازنا چاہتی ہوں۔ شہزادی کی ترغیب و تحریص میں آکر لورک اس کے ساتھ راہِ فرار اختیار کرتا ہے جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ میں اپنے دل کی ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ اس گوالے کی بیوی بے پناہ حسن و جمال کی مالک ہے۔ تم کسی طرح اسے میرے محل تک پہنچا دو۔ اِس کام کے لیے ایک ہوشیار دلالہ کو مینا کے گھر بھیجا گیا۔ فراق زدہ مینا اپنے شوہر کی یاد کے سہارے زندگی گذار رہی تھی، ایسے میں بوڑھی دلالہ اس کے گھر پہنچی اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ دلالہ موقع کی تلاش میں تھی، اس نے موقع پا کر مینا سے کہا کہ تیرا دکھ درد مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تو کتنی نادان ہے ابھی تک اس گنوار لورک کو اپنا محبوب سمجھتی ہے جو چندا کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ تیرے ہنسنے بولنے کے دن ہیں میں تجھے بالا کنوار سے ملانے کا انتظام کر دوں گی۔

بڑھیا کی زبانی ایسی باتیں سن کر مینا بے حد برہم ہوئی اور اس نے کہا لورک ہی میرے لیے بالا کنوار ہے بڑھیا نے جواب دیا کہ عیش و عشرت تیرے مقدر میں ہی نہیں یا لورک نے تجھ پر جادو کر دیا ہے۔ اِس دلچسپ گفتگو کے دوران شاعر نے دوتی اور مینا کی زبانی چند حکایتیں بھی سنائی ہیں۔ غرض بوڑھی دلالہ طرح طرح سے مینا کو اپنے دام میں پھانسنے کی کوشش کی لیکن با عصمت شوہر پرست اور باوفا مینا اس کے جال میں نہ آسکی۔

جب بوڑھی دلالہ اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتی ہے تو بادشاہ خود مینا کے گھر آتا ہے۔ اور وہ اس کی شخصیت سے اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ فوراً لورک

اور چندا کو پکڑ کر لانے کا حکم دیتا ہے۔ جب وہ دونوں بادشاہ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو بادشاہ لورک کو مینا کے پاس بھیج دیتا ہے چندا کو سنگسار کر دینے کا حکم دیتا ہے اور دلالہ کا سر منڈوا کر سارے شہر میں پھروا تا ہے۔

ادبی جائزہ

"سیف الملوک و بدیع الجمال" اور "طوطی نامہ" کو سامنے رکھ کر "مینا ستونتی" کا جائزہ لیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غواصی کی ابتدائی کوشش ہے، لیکن اس کے باوجود، زبان، انداز بیان اور کمال فن کے اعتبار سے غواصی کی دوسری مثنویوں کی طرح یہ مثنوی بھی قدیم اردو شاعری میں ایک نمایاں مقام کی مستحق ہے۔ دکنی کے دوسرے شعراء کی طرح غواصی کے کلام میں مقامی ماحول، مقامی روایات اور مقامی قصوں کی عکاسی پائی جاتی ہے۔ "مینا ستونتی" کے قصّہ کا انتخاب شاعر کی حقیقت پسندی اور صحت مند نقطہ نظر کی غمازی کرتا ہے۔ اِس مثنوی میں قدیم اردو شاعری کے عام رجحان کے مطابق سادگی، واقعہ نگاری اور ماحول کی عکاسی کے بڑے دلچسپ نمونے موجود ہیں۔ بالا کنوار اور اس کے شہر کا نقشہ غواصی اس طرح پیش کرتا ہے ۔

کہ یک شہر کا تھا بڑا بادشاہ	جہانگیر عالم میں تھا شہنشاہ
سچا عادل و مہرباں شہر یار	اتھا ناؤں اس کا سو بالا کنوار
اسے گڑھ، ولایت بہت شہاد تھے	سبی خلق واں کے دنیا دار تھے
یوں بستی سوں معمور سب شہار تھے	جدھر دیکھے صاحب تو گلزار تھے

تھا عالم خلق سب امن میں تمام　　رہتے تھے ٹھنڈی چھاؤں میں خاص و عام
چتر بادشاہ خوب چھبیلا نول　　اتھا خوش چمن میں سو دل کا کنول

شہزادی چندا جب پہلی بار گوالے (لورک) کو دیکھتی ہے تو وہ اس کے مردانہ حسن پر فریفتہ ہو جاتی ہے اور اس طرح اظہار عشق کرتی ہے ؎

چھبیلا توں ہے جان، جانی منجے　　لگیا جیو میرا کتی ہوں تجے
دو لے مال سارا یہاں تے ھلوک　　ہمیں ہور تمیں مل کو جائیں پرملوک
کتی ہوں سدا سکھ سوں مل کر رہنا　　بس عار دس پیاری، توں تو شوہنا

شہزادی کی زبانی یہ باتیں سن کر لورک کہتا ہے کہ بچپن میں اس کی شادی ہو چکی ہے اس کی بیوی کا نام مینا ہے جو نہ صرف یہ کہ باعصمت اور شوہر پرست ہے بلکہ بے پناہ حسن و جمال کی مالک بھی ہے۔

یو سن کر کہا میرے گھر نار ہے　　او ستونت ناریاں میں اوتار ہے
چھبیلی ار اوتار ریج ہور ہے　　سہیلی کوں یوسف کرانو ہے
خدا نے اسے نور ایسا دیا　　چتر سار خامیاں ہیں اس کوں کیا
نہ حاجت منج چاند ہور سور کا　　مرے گھر میں شعلہ ہے کہہ طور کا
ستارے اس انگے یوں دستے اہیں　　کہ جوں دیس کوں دیوٹیاں لائے اہیں
اسم پاک اس کا کہوں میں ٹک ایک　　پتی ورتا مینا سو ہے ناوں نیک

لورک اور چندا کی گفتگو کے دوران شاعر نے جگہ جگہ اپنے کمال فن کے بڑے خوبصورت نمونے پیش کئے ہیں مثال کے طور پر ایک مقام پر غواصی نے چندا کی زبانی دیہاتی گوالے کا لباس، رہن سہن کی اشیا، اس کا ماحول اور اس کے صبح و شام کی اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

بوہن بات چندا کہی استوار — اپیں ہو خدا تج کوں کرتا ہے خوار
جو کھاندے پچرا لا چندوئی ہے سیر — لنگے پاؤں ہور ایک لنگوٹی ہے پھیر
لنگوٹی گھٹی ہور، سڑیا گودڑا — بچھانے کوں کی، یک پھٹیا بوریا
لیا بھار کس بات میں جھانکتا — پھرے جنگلے جنگل گرور اکتا
تجے کائیکو کسوت، بچھانا صدر — ارے گاودی کیا توں جانے قدر

بوڑھی دلالہ مینا کو طرح طرح سے ورغلاتی ہے اور ہر بار ترغیب و تحریص کے موثر ترین حربے استعمال کرتی ہے۔ دلالہ کی گفتگو کے وہ حصے جہاں پردہ مینا کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی کوشش کرتی ہے، مکروفریب کے بنیادی مقصد کے باوجود حقیقی اور انسانی جذبات کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

بیاہن سو کیوں سیج بھاتی تجے — یکیلی کوں کیوں نیند آتی تجے
نہ رکھنا ہے دو دن کی دنیا میں لاج — حیا کرنے کا کام کرنا ہے آج
دنیا کی ہوس کچ نہ دیکھی ہے توں — دنیا کی لذت کچ نہ چاکی ہے توں
خدا کے ولیاں عالماں ہور فقیر — انن کوں بی دنیا کی آنی فکیر
توں مت کوں پتیا کر نکو ہو ہلاک — یو مت ڈال دے بھرت پاوے گی بھاگ
مرا آس برلا جنجل گن بھری — جوانی چپلی باد ہو صرصری
کہتے ہیں جوانی گئے پر اونار — کہ جیوں دیس ڈھل جا پڑے اندکار

دوتی کی ترغیب و تحریص کے باوجود مینا ایک وقف شدہ شوہر پرست بیوی اور عفت و عصمت کی نگہبان باوفا ہندوستانی عورت ثابت ہوتی ہے اور اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔

ابیں پیو اپر جن اچھنگی فدا — یو رحمت اُسی پہ رہے گی سدا
اگر سورا اسمان تھے آئے گا — اگر چاند آ منج کوں از ملے گا
اگر کوئی ملک ہوئے صاحب جمال — اگر کوئی مقبول ہوئے جگ اجال
تو لورک سے ایلاڑ ہیں سب تمام — او سرتاج میرا منجے اس سوں کام
دو بجے تھے بھلا موت آنا منجے — بھلا ہے قبر کا بچھانا منجے
پرائی سیج میں جا اپس کوں سلاؤں — سوا او سیج ماٹی میں کیوں نہ ملاؤں
مرے ست کے دریا کا لورک غواص — نہ لے سے کئی اس باج موتیاں کی راس
پرت کا مرے دھن یو بیٹھا ہے ناگ — سکے کون لینے کوں تن میں ہے آگ

دوتی اور چندا کی گفتگو کے یہ جاندار مکالمے شاعر کی قادر الکلامی، قوت مشاہدہ اور فنکارانہ صلاحیتوں کی دلیل ہیں، ان مکالموں کو شاعر نے فطری رنگ اور اپنے عہد کی نسوانی زبان، محاورے اور روزمرہ سے مرصع کیا ہے۔ جہاں تک عورتوں کی زبان اور زنانی محاوروں کا تعلق ہے شاید ہی کسی اور دکنی شاعر کے یہاں نسوانی زبان کے اتنے وافر نمونے موجود ہوں، غواصی نے اس مثنوی میں عورتوں کی بول چال کا بڑا صحیح نمونہ پیش کیا ہے۔ عورتوں کے محاورے، روزمرہ، ضرب الامثال اور ان کے کوسنے یا بد دعا دینے کے انداز کی متعدد مثالیں اس مثنوی میں ملتی ہیں۔

چند مثالیں پیش ہیں۔

کہی بھاگو نیچ جلو تیرا بھاگ — جو کھاتی توں اپنی جوانی کی آگ
ہر یک بات کرتی ہے توں زار زار — پڑو تیرے دامن میں جلتے انگار
بلا میرے پیو کی پڑو تج اپر — لڑو سانپ بیچھو ترا جیو جگر

مرو نالہ او بیا نپنی استری — جن ایک چھوڑ دیے اپر من دھری
نپھڈا کام یو نا کروں تو چونڈا — سٹوں گی ترت اپنے سر تے مونڈا
سُنی سو گیا سب سینا پھوٹ کر — فکر سوں کلیجا گیا ٹوٹ کر
بھلا ہی تو اپنا کیا پائے گی — انگے پند میری تو ازمائے گی
پھٹو دود میرا ترے بارے بال — سزا دیوے اس کا تجے ذوالجلال
اتا کیوں تو گوال پر من دھری — اتا کیوں ترا جان اس پر کری
تو آخر ہے گندی جنم کھوے گی — برا کھا برے گود میں سوے گی
کہ یو کام میرے سوں ہونے کا نیں — مروں گی تو منج کوئی رونے کا نیں
کہ مرنا قبولی ہوں درگاہ میں — ولیکن تو مت آمری راہ میں

سیفُ الملوک و بدیع الجمال

قِصّے کا ماخذ "سیف الملوک و بدیع الجمال" کا قصّہ الف لیلیٰ کے فارسی ترجمے کے ایک مشہور افسانے پر مبنی ہے۔ اِس میں مصر کے شہزادے سیف الملوک اور اجنّہ کی شہزادی بدیع الجمال کی عشقیہ داستان نظم کی گئی ہے۔ غواصی نے قِصّے کے ماخذ کے متعلق کوئی صراحت نہیں کی، بلکہ اس کو وہ اپنی تخلیقی نظم کہتے ہوئے "در حسبِ حال خود گوید" میں لکھتا ہے ۔

جو یک دیس نِکل نیں سحر گاہ کر — چلیا پھول باڑے کدن خیال کر
سو بولس کچ وہاں پھول بادہ آئے تھے — سبز پوش ڈالیاں پہ جھلکائے تھے
مرا روح پروانہ کے سار کا — جو عاشق ہے نوروں کی جھلکار کا
دیکھ اس شمع کے جھاڑ کوں نور کے — لگیا پھرنے خوش کھول پنکھ سور کے

کواڑاں کھلے سب مرے فام کے　　کھلے پھول مقصود کے کام کے
مرا جیب بلبل ہو بولن لگیا　　چھپے غیب کے نغمے کھولن لگیا
ہوا عقل کا دست مایا مجے　　تو اس دھات خاطر میں آیا مجے
کہ پنجادنا دل تے تازا نگار　　جو دنیا میں اپنا اچھے یادگار
میں یو بول پورا کیا نیں لگوں　　ندا غیب کا آیا مجکوں یوں
کہ اے تازے نقشاں کوں پہنچا نہار　　بچن غیب کے دھنڈ دھنڈ لیا نہار
بنا یک طرح توں کہ یو وقت ہے　　تسوں یار جواب ترا بخت ہے
کھلا ہے ترے مکہ پہ در فیض کا　　ہوا ہے عطا تج اثر فیض کا
نکل آ فصاحت کے میدان توں　　بچن کے ترنگ کوں دے جولان توں
کہ اس ٹھار تج بن نہیں کوئی اب　　لجا توں بلاغت کیرا گوے اب
کہ سیف الملوک ہور بدیع الجمال　　یو دونوں ہیں عالم منے بے مثال
انن دوئی کا داستاں بول توں　　سو دفتر انن دوئی کا کھول توں
ترے تائیں آیا ہے یو داستاں　　ظفر تج کوں لیایا ہے یو داستاں
پڑیا یو ندا جوں مرے کان میں　　کھڑا آ فصاحت کے میدان میں
مرا دل خزینہ جوں معمور ہے　　بچن کے جواہر سوں بھرپور ہے
لگا دولنے تائیں میں جوہراں　　دپایا تجلیاں میں نوا مبراں
کیا شعر تازا بڑے چھند سوں　　ہر یک بند بسلایا بند سوں

قصے کا خلاصہ

حضرت سلیمان کے زمانے میں مصر میں ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام عاصم نول تھا۔ باوجود دولت و ثروت کے اسے کوئی اولاد نہ تھی۔ اِس نے خدا سے دعا کی، اولیاء اللہ کی خدمت کی

اور غریب غربا میں بہت کچھ خیر خیرات کی لیکن پھر بھی اولاد نہ ہوئی بالآخر اس نے مایوس ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ وزرائے سلطنت نے باہم مشورہ کر کے نجومیوں سے بادشاہ کی قسمت کا حال دریافت کیا۔ نجومیوں نے کہا کہ اگر بادشاہ یمن کے راجہ کی بیٹی سے عقد کرے تو اس سے اولاد ہو سکتی ہے۔ بادشاہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اس مقصد کے لئے اپنے ایک سفیر کو تحفہ و تحائف کے ساتھ شاہِ یمن کے پاس روانہ کیا۔ یمن کے بادشاہ نے اس نسبت کو بخوشی قبول کیا۔ اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شادی ہو گئی۔ بادشاہ کو اِسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سیف الملوک رکھا گیا۔ اتفاقاً بادشاہ کے ایک وزیر کو بھی لڑکا تولد ہوا۔ جس کا نام ساعد رکھا گیا۔ بادشاہ نے دونوں کی پرورش ایک ساتھ کی۔ جب یہ دونوں پڑھ لکھ کر فارغ ہو گئے تو ایک روز بادشاہ نے دونوں کو دربار میں طلب کیا اور ایک انگشتری اور زرین کپڑا سیف الملوک کو دیا اور کہا کہ یہ تحفے مجھے حضرت سلیمان نے بھیجے تھے۔ رات میں شہزادے نے جب اس زرین کپڑے کو کھول کر دیکھا اس میں ایک خوبصورت شہزادی کی تصویر تھی جسے دیکھتے ہی وہ دیوانہ وار عاشق ہو گیا۔ بادشاہ نے جب یہ خبر سنی تو اس نے ساعد سے کہا "اس زرین پارچہ میں اجنہ کے بادشاہ شہپال ابن شاہ رُخ کی بیٹی بدیع الجمال کی تصویر ہے جو گلستانِ ارم میں رہتی ہے شہزادی کو پانا بہت مشکل ہے" شہزادہ مرضِ عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے اسے دلاسہ دیا اور اپنے آدمیوں کو

گلستان ارم کی تلاش میں روانہ کیا۔ لیکن اس شہر کا کہیں پتہ نہ چل سکا بالآخر شہزادہ اپنے باپ سے اجازت لے کر خود ساعد کے ہمراہ گلستانِ ارم کی تلاش میں نکلتا ہے۔ سفر کے دوران اس سے ساعد جدا ہو جاتا ہے۔ آخر کار شہزادہ کئی ایک مہمات سر کر کے جن میں دیوؤں بھوتوں اور پریوں وغیرہ سے مقابلہ بھی شامل ہے گلستان ارم پہنچتا ہے۔ بعد کو ساعد بھی اس سے آملتا ہے۔ اِس طرح وہ بدیع الجمال کو پانے میں کامیابی حاصِل کر لیتا ہے۔

مثنوی کا ادبی جائزہ

سیف الملوک و بدیع الجمال اگرچہ کہ الف لیلیٰ کے فارسی قِصے پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں عہدِ وسطیٰ کی دوسری مثنویوں کی طرح فارسی مثنوی کا من و عن ترجمہ نہیں کیا گیا شاعر نے صرف قِصہ کا ڈھانچہ مستعار لیا ہے اور جگہ جگہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال کر کے اس قِصہ کو بڑی حد تک اچھی بنا دیا ہے۔

قرونِ وسطیٰ کی دیگر داستانوں کی طرح اس مثنوی میں بھی مافوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی ہے۔ جبکہ یہ عناصر غواصی کی دوسری مثنویوں (مینا ستونتی اور طوطی نامہ) میں بالکل مفقود ہیں اِس مثنوی میں دیووں پریوں اور بھوتوں کے محیر العقول واقعات کے ساتھ زبان اور انداز بیان کی دِلکشی بھی موجود ہے۔ اِس مثنوی کی سب سے نمایاں خصوصیت سادگی ہے۔ غواصی بات کو عام زبان میں سادگی اور روانی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ سیف الملوک و بدیع الجمال

زبان، انداز بیان مناظر فطرت، نفسیات کی مرقع کشی اور سراپا نگاری کے نقطۂ نظر سے اپنے عہد کی ایک شاہکار مثنوی ہے۔ ذیل میں اِس مثنوی کا موازنہ میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" سے کیا جاتا ہے۔

غواصی نے "سیف الملوک و بدیع الجمال" میں چاندنی رات کی اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

عجب رات نرمل تھی اس دن کی رات — جھلکتے اتھے نوراں لک دھات دھات
نکل آئیکر چاند تاریاں سیتے — جھمکتا اتھا جگمگاریاں سیتے
پھل چندنا سب میں پڑتا اتھا — سو جیوں دود کیرا او دریا اتھا
بنے بن پون لمکماتی اتھے — چمن در چمن لک لکاتی اتھے

میر حسن نے اپنی شاہکار مثنوی "سحر البیان" میں ایک جگہ چاندنی رات کا منظر اس طرح پیش کیا ہے۔

وہ سنسان جنگل وہ نور و قمر — وہ براق سا ہر طرف دشت و در
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے — خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سائے سے مہ کا ظہور — گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

غواصی کی زبان میر حسن کی ترقی یافتہ زبان کے مقابلے میں تقریباً پونے دو سو سال قدیم ہے لیکن اس کے باوجود اس کے کلام میں بھی سادگی روانی اور جاذبیت موجود ہے۔ میر حسن نے چاندنی رات کی دلکش منظر کشی کی ہے۔ غواصی نے چاندنی کو دودھ کے دریا سے تشبیہ دی ہے اور ایسا سماں باندھا ہے کہ آنکھوں کے سامنے تصویر پیش ہو جاتی ہے۔

ذیل میں "سیف الملوک و بدیع الجمال" اور "سحر البیان" سے ایسے اشعار

نقل کئے جاتے ہیں۔ جس میں دونوں شاعروں نے کم و بیش ایک ہی مضمون کو اپنے اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشابہت پائی جاتی ہے۔

شہزادہ سیف الملوک جب پہلی بار زر بفت کی چادر میں شہزادی بدیع الجمال کی تصویر دیکھتا ہے تو وہ اس پر دیوانہ وار عاشق ہو جاتا ہے اس کیفیت کو غواصی نے اس طرح پیش کیا ہے۔

دو تصویر دیکھ، ویں دوانہ ہوا وہی عشق کا اس کوں بھانا ہوا
ایس بن لگیا رونے زار زار سو پڑنے لگیا بے خبر ڈھار ڈھار
دو تصویر نظر میں رہی چوب کر سو جاگا کیا دل منے خوب کر
دیا سنگ ساریاں کیرا چھوڑ کر لیا کھینچ دم سب تھے مکھ موڑ کر

میر حسن نے بے نظیر کی مفارقت میں بدر منیر کی حالت اس طرح پیش کی ہے۔

خفا زندگانی سے ہونے لگی بہانے سے جا جا کے رونے لگی
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی

غواصی شہزادہ سیف الملوک کے تولد ہونے کی داستان (حکایت تولد شدن سیف الملوک) اس طرح نظم کرتا ہے۔

الٰہی جو صاحب ہے سنسار کا جو دیتا ہے منگیا منگنہار کا
جو بیٹا دیا شاہ کوں بے بدل چندر سود تے خوب نرمل نچھل

سو عاصم نول شاہ پایا اُس بہر حال خرزند ہوا کر اُپس
خوشیاں سات امرت گھڑی فال دیک سو سیف الملوک کر رکھیا ناؤں نیک

میر حسن نے بھی اسی داستان کو (داستان تولد ہونے شاہزادہ بے نظیر کی) اس طرح پیش کیا ہے۔

گئے نو مہینے جب اس پر گذر ہوا گھر میں شہ کے تولد پسر
عجب صاحب حسن پیدا ہوا جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا
ہوا وہ جو اس شکل سے دلپذیر رکھا نام اس کا شہ بے نظیر
خواصوں نے خواجہ سراؤں نے جا کئی نذریں گذرانیاں اور کہا
مبارک تجھے اے شہ نیک بخت کہ پیدا ہوا وارث تاج و تخت

منظر نگاری اردو شاعری کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ اس میں نیچر کی ترجمانی یا منظر نگاری مغربی شاعری سے اثر پذیری کا نتیجہ ہے۔ یہ خیال ۱۸۵۷ء کے بعد نشو و نما پانے والی اردو شاعری کی حد تک درست ہے لیکن قدیم اردو شاعری کے متعلق یہ رائے درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ قدیم شعرائے دکن نے منظر نگاری پر ہمیشہ توجہ کی ہے فطرت پرستی اور منظر نگاری کی ابتدا کا سہرا غالباً محمد قلی کے سر ہے لیکن اس کی منظر نگاری بالکل ضمنی ہے۔ غواصی دبستان گولکنڈہ کا شاید پہلا شاعر ہے جس نے منظر نگاری کی جانب باقاعدہ توجہ کی ہے۔ غواصی کی منظر نگاری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے بیانات کی بنیاد مشاہدہ پر رکھی ہے۔ وہ ایک مصور کی طرح قدرتی مناظر کی تصویر کشی کرتا ہے۔

اردو شاعری میں بہت کم شعراء نے منظر نگاری کی طرف توجہ کی ہے ان شعراء میں میر انیس اور جوش ملیح آبادی کے نام سرِفہرست ہیں۔ میر انیس صبح کا منظر اس طرح پیش کرتے ہیں۔

پھولا شفق سے چرخ پہ جیب لالہ زار صبح   گلزار شب خزاں ہوئی آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح   سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گذار صبح

تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

جوش اپنی نظم "سویرا" میں صبح کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

روح میں کروٹیں بدلتی صبح   جھولتی کھیلتی مچلتی صبح
مست پنگھٹ پہ گنگناتی صبح   جھومتی ناچتی نچاتی صبح
چمپئی سرخ سبز دھانی صبح   رقص طاؤس نوجوانی صبح

"سیف الملوک و بدیع الجمال" میں اردوئے قدیم کے اس ممتاز شاعر کی تصویر صبح ملاحظہ فرمائیے۔

نورانی صبا کا جو بارا ہوا   چندر کا جھلک ٹک اوتارا ہوا
ستارے لگے ڈوبنے ٹھار ٹھار   پنکھی اٹھ لگے غل کرن یوں پکار
عرش کا مرغ بانگ کہنے لگیا   صبا کا ٹھنڈا باؤ بہنے لگیا
پرندے لگے کوکنے ٹھار ٹھار   درندے چلے سیر کرنے کوں بھار
رین جیوں جتی صبح کی پرت کوں   سو روشن ہوا صبح کی روت سوں

غواصی نے اس مثنوی میں جگہ جگہ منظر نگاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ شہر بانو (بدیع الجمال کی ماں) سیف الملوک کو ایک باغ میں چھوڑ کر

خودشہ پال سے ملنے جاتی ہے۔ غواصی نے اس باغ کی بڑی خوبصورت تصویر پیش کی ہے۔

کہیں رائی چنپا کہیں سیونتی ‏ ‏ کہیں موگرہ ہور کہیں ریونتی
کہیں یاسمن ہور مدن بان کیں ‏ ‏ کہیں تاج گل سرخ ہور ریحان کیں
کہیں لال ہور کہیں رنگیلے گلال ‏ ‏ کہیں پھول صد برگ کے بے مثال
کیتیک اس منے پھول کیتے کلیاں ‏ ‏ دیکھیں تو نین کوں اٹھیں گدگلیاں
کہیں تختے انگور کے بے بدل ‏ ‏ کہیں انجیر و انار شیریں نجھل
کہیں سیب ہور کیں انناس خوب ‏ ‏ کیتیک جنس کے میوے خوش باس خوب

کہیں اخروٹ بادام پستے نفیس
کہیں جوز چلغوزر دستے نفیس

غواصی نے ایک مصور کی طرح باغ کی تصویر کشی کی ہے۔ اس نے واضح طور پر مختلف پھولوں اور پھلوں کے نام گنوائے ہیں مثلاً رائی، چنپا، موگرا، سیونتی، یاسمن، مدن بان، ریحان، لالہ، گل صوبرگ۔ انگور، انجیر، انار، اخروٹ، سیب، انناس، بادام، پستہ، جوز، چلغوزہ وغیرہ۔ ان اشیاء کی منظر کشی کا انحصار بڑی حد تک شاعر کے قوتِ مشاہدہ پر مبنی ہے نہ کہ محض تخیل آرائی پر۔

"سیف الملوک و بدیع الجمال" میں ایک سنسان جنگل کی منظر کشی بڑے دلکش انداز میں کی گئی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

چلیا تھا دیس نہاستا جو تلگ ‏ ‏ جو ایسے منے رات آئی بلگ
چھپیا سور بی شاب لے نور کا ‏ ‏ کھڑا آچندا تاب لے نور کا

ثریا شمع جوت لڑکاے کر ‏ جگا جوت آسمان پر سر بسر
کنڈھیاں رات سگلی جو جنگل منے ‏ تماشا دیکھیا نادر او کل منے
کیتک جھاڑ پڑتے ہیں قرآں وہاں ‏ کیتک شمع دیپے اہیں جاں تہاں
کیتک جھاڑ الحان سوں ذکر کر ‏ دعا کوں اچاے ہیں ہاتاں مگر

دعا میں رکھے پات کوں ہات کر
گھنٹے رین سگلی اس بات پر

سیف الملوک، ساعد کے ہمراہ جب "گلستان ارم" کی تلاش میں نکلتا ہے۔ راستے میں ایک زبردست طوفان آجاتا ہے جس کی وجہ سے تمام کشتیاں غرق آب ہو جاتی ہیں۔ دریا میں طوفان کا منظر غواصی اس طرح پیش کرتا ہے۔

سوا دکل قضا ہور قدر آکھڑیا ‏ سو کام آ کدھر کا کدھر آ پڑیا
لیکایک اٹھیا باؤ طوفان کا ‏ دریا کوں چڑیا تاؤ طوفان کا
نپٹ آئے تھے واٹ کالے اچھال ‏ چھپیا سور ہور چاند پکڑیا پتال
برسنے لگیا میگ ابرال تھے ‏ نہ برسیا کدھیں یوں برشگال تھے
پڑیا گرد چاروں طرف اندکار ‏ کڑکنے لگیاں بجلیاں ٹھار ٹھار
نہ دن کام ہوتا سمجھتے نہ رات ‏ ہوا رات ہور دیس مل ایک دھات
خدا سوں پڑیا آکے ساریاں کوں کام ‏ بھروسا سٹے جیو تے کا تمام
کہ دریا اُبلنے لگیا شور سوں ‏ اٹھے موج طوفان کے زور سوں
ہوئیاں کشتیاں درہم یکدھر تے ‏ رہیا خلق عاجز ہو تدبیر تھے
بڑا کچ ہوا تفرقا ہولناک ‏ ہوگئے لوگ لئی یک طرف تھے ہلاک

شہر پال اور بادشاہ دریائے قلزم کی لڑائی کا ایک منظر ملاحظہ کیجئے۔

جو دو راج دو دھر تے برہم ہوئے — گگن ساتوں ہیبت تے درہم ہوئے
غصے کا جو بارا اٹھیا زور سوں — پڑیا اس کے لشکر پہ جا قہر سوں
سٹے خاص ہور عام کوں کاٹ کاٹ — جو جس کوں نہ سمجھا تھا باٹ کھاٹ
سٹے دھڑ پوتے یوں منڈیاں کاٹ کاٹ — نہ نخی باٹ جانے کسے واں تے نھاٹ
جو دریا لہو کا اُبلنے لگیا — گگن اس پو کشتی ہو چلنے لگیا
سراں تیرتے لہو کے سمدور تے — جو دستے اتھے بڑ بڑے دور تے

"سیف الملوک و بدیع الجمال" میں منظر نگاری کے علاوہ سراپا نگاری کے بھی متعدد بے مثال نمونے موجود ہیں۔ غواصی نے جہاں شہزادی بدیع الجمال کے حسن کی بے انتہا تعریف کی ہے وہیں "رنگین ڈائن" اور اس کے باپ "بڑا بھوت" کا سراپا بھی پیش کیا ہے۔

بھوت کا سراپا

تیا کوچ بد شکل چہرہ اتھا — جو دیکھن کسے اوس کوں زہرہ اتھا
فرشتے بھی ڈرتے اتھے عرش پر — اتر آونے اِس زمیں فرش پر
بڑا بھوت کہتے سو تھا آپ وو — کہ تھا سارے بھوتاں کیرا باپ وو
گیا ہونٹ اپر کا جو یکدھیر کوں — لگیا تھا پشانی او انگ سیر کوں
تلیں کا یوں آیا اتھا لٹک ہونٹ — جو تھا اس کے گر گیاں ہنے فرق بھوت
لمبا قد لمبی ناک چوڑے بلاخ — دسے غار کے ناد لبداں فراخ
بڑے ڈانگرے سار کے کان دو — اجڑ گھر کیرے کھوڑ جوراں دو
مسے کالے اس کے اتھے منہ اپر — مکھیاں بھنبھناتی ہیں جیوں گواہ اپر

ڈائن کا سراپا

گزشتاں مینے سخت دورشت تھی ۔۔۔ بینٹ روسیاہی ہیں انگشت تھی
کہ تھا ٹھوبڑا اس کا جیوں فیل کا ۔۔۔ سراس کا سو کالا رنجن نیل کا
انکھیاں ڈونگیاں جیوں کھڈی سار کے ۔۔۔ دو دیدے بھتر جیوں پتھر گار کے
چڑیا ہونٹ ایرال کا ناک پر ۔۔۔ ٹھڈی پر پڑیا ہے تلیس کا اتر
بونبی کھل رہی تھی سو جیوں ادکھلی ۔۔۔ مسل ہو کے دوڑی تھی رومالی
لڑکتی جو چیتڑاں پہ یہ چوٹی دسے ۔۔۔ سو جیوں جھاڑ کی پیٹر موٹی دسے
سوسے سار پنڈلیاں اپر تیز بال ۔۔۔ نہ تھی جگ میں ڈائن کوئی اسکے مثال
سڑی بوئی بغلاں میں تھے یوں جھڑے ۔۔۔ جنے باس اس کی سنگے سو مرے

شہزادی بدیع الجمال کے حسن کی تعریف میں بھی غواصی کا حُسن بیان ملاحظہ ہو۔

عجب نور کیرا اتھا مکہ پہ تاب ۔۔۔ کہ قربان اس مکہ پہ لک آفتاب
دیکھیا جوں چندر اس مونڈی کا ڈکر ۔۔۔ ستیا پیرہن اسمان کے پھاڑ کر
ستارے دیکہ اس کا جھل نور سب ۔۔۔ لئے ہات شرمندہ ہو چور سب
کلیاں سب چمن کے دیکھ اس بھان کوں ۔۔۔ کیا چاک اپنے گریبان کوں
دیکھ اس کے نین بن کے نرگس تمام ۔۔۔ ہوئے ہوش اڑتے تھے کھس کھس تمام
دیکھت اس کے بیچاں بھرے کنڈلاں ۔۔۔ سب آئے تھے کل برزمیں سنبلاں

کہ وو نار اوتار یک حور تھی
نہ یک حور وو عینِ سمدور تھی

طوطی نامہ

قصے کا ماخذ "طوطی نامہ" کا قِصّہ قدیم زمانہ کی مشہور سنسکرت تصنیف "شکا سپتتی" (طوطے کی کہی ہوئی ستّر کہانیاں) کے فارسی ترجمے پر مبنی ہے۔ "شکا سپتتی" کو سب سے پہلے مولانا ضیاءالدین نخشبی نے فارسی میں منتقل کیا تھا، اور انہوں نے ستّر کہانیوں میں سے صرف باون کا اِنتخاب کیا۔ غواصی کے طوطی نامہ کا ماخذ نخشبی کا ہی "طوطی نامہ" ہے۔ اور اس نے بھی اختصار سے کام لیتے ہوئے باون کہانیوں میں سے صرف پینتالیس کو منتخب کیا ہے۔ غواصی "در مدح اشعار خود گوید" میں کہتا ہے۔

جو طوطی مرے طبع کا بے نظیر
ہے شکر فشانی منے دل پذیر

کیا شکر افشاں اس دھات سوں
کہ دم کوئی اچا دے نہ پایاں بات سوں

جو یو داستاں ہے بدل فارسی
مرے امتحاں کا ہوا آرسی

حکایت کتک اسمیں کے خوب دیک
سرس ہور رسدار مرغوب دیک

پراگندہ خاطر نہ کر اس بدل
کیا ترجع مختصر اِس بدل

کہ تھوڑے میں لذت رہے ہور سواد
کہ کرتا رہے اشتہا کوں زیاد

ہوئے حضرت نخشبی مج مدد
دیا ہیں اسے تو رواج اس سند

غواصی دبستانِ دکن کا پہلا شاعر ہے جس نے فارسی "طوطی نامہ" کو دکنی کا جامہ پہنایا۔ شاید اس لئے حسین نے "بہار دانش" کے ترجمے میں

غواصی کو اس طرح یاد کیا۔[1]

غواصی کا باعث ہے اے نیک نام
کہ ہندی ہوا طوطی نامہ تمام

قصّے کی جزئیات، انسانی نفسیات کی مرقع کشی اور مناظرِ فطرت کے بیان میں غواصی نے اپنے شاعرانہ کمال اور قادر الکلامی کا اس درجہ بے پناہ مظاہرہ کیا ہے کہ قدیم اُردو کا یہ عظیم فن پارہ محض سنسکرت یا فارسی کا ترجمہ ہی نہیں رہ جاتا بلکہ بڑی حد تک ایک اپنی تصنیف کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

قصّے کا خلاصہ کہتے ہیں کہ کسی وقت ہندوستان میں ایک سوداگر تھا۔ اس کے پاس ایسے نایاب ہیرے اور جواہر موجود تھے جس کی مثال بادشاہوں کے یہاں بھی مشکل سے ملتی تھی۔ اسکے ہاں دولت و ثروت کی کوئی کمی نہ تھی، لیکن وہ دولت اولاد سے محروم تھا۔ عرصہ دراز کے بعد خدا نے اسے ایک خوبصورت فرزند عطا کیا۔ جب وہ جوان ہوا تو سوداگر نے اس کی شادی کر دی ایک دفعہ جب وہ بازار کو نکلا تو اسے ایک طوطا بہت پسند آیا اس نے طوطے کو خرید لیا۔ چند روز کے بعد اس نے ایک مینا بھی خریدی۔ ایک دن وہ طوطا اور مینا کو اپنی بیوی کے حوالے کر کے سفر کے ارادے سے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کی بیوی جو ایک بدکار عورت تھی صدمۂ فراق سہ نہ سکی اور ایک انجانے نوجوان کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ سوداگر کی بیوی نے جب اپنے دل کا حال مینا سے کہہ سنایا، کہ

---

[1] طوطی نامہ (منظوم) مخطوطہ انجمن ترقی اردو پاکستان بحوالہ تاریخ ادب اردو۔ از جمیل جالبی صفحہ ۴۰۷

وہ ایک نوجوان سے وصال کی آرزو مند ہے تو مینا نے اسے منع کیا۔ مینا کے اس مشورہ سے وہ سخت برہم ہوئی اور اس کے بال و پر نوچ کر اسے ہلاک کر دیا۔ جب اس نے طوطے سے مشورہ کیا تو طوطے نے صاف انکار کرنے کے بجائے مصلحت سے کام لے کر اس شرط پر اجازت دی کہ وہ اپنا حالِ دل کسی پر ظاہر نہ کرے ورنہ اس کا حال بھی وہی ہوگا جو ایک رانی کا ہوا تھا۔ سوداگر کی بیوی نے قصہ سنانے کی فرمائش کی۔ طوطا عجیب کہانیاں سناتا رہا اور یہ کہانیاں کئی دن تک چلتی رہیں یہاں تک کہ سوداگر گھر واپس آگیا۔ اس نے طوطے سے گھر کا حال دریافت کیا۔ طوطے نے من و عن تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ سوداگر بہت رنجیدہ ہوا اور اپنی بیوی کو قتل کر کے درویشی اختیار کی اور طوطے کو رہا کر دیا۔

مثنوی کا ادبی جائزہ

"طوطی نامہ" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی غواصی کے آخری زمانہ کی تصنیف ہے اس کو شہرت عزت اور وہ تمام دنیاوی مراتب حاصل ہو چکے ہیں جس کا کبھی وہ آرزو مند تھا۔ شاید اسی لیے وہ دنیا کی عیش و عشرت اور دولت و ثروت سے بیزار نظر آتا ہے اور دنیا سے کنارہ کشی، قناعت پسندی اور عشقِ الٰہی کی طرف راغب ہوتا ہے وہ دنیا کو ایک ایسی دوشیزہ سے تشبیہ دیتا ہے جس کا ایک ہاتھ لہو میں ڈوبا ہوا ہے اور دوسرا مہندی سے رچا ہوا ہے۔

"طوطی نامہ" غواصی کی شاہکار مثنوی ہے۔ "مینا ستونتی" کی طرح یہ

مثنوی بھی ہندوستانی اصل کے قصہ پر مبنی ہے" طوطی نامہ" میں ایک ایسی عالمگیر کشش موجود ہے جس سے ہر شخص ہر زمانے میں لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے اس مثنوی کا شمار دنیا کی اعلیٰ ترین ادبی کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔

" طوطی نامہ" کی ابتداء حمد و نعت سے ہوتی ہے۔ مدح بادشاہ اور سببِ داستاں گوئی کے بعد قصّہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اِس مثنوی کا ابتدائی حصّہ اور خاتمہ غواصی کی اپنی تخلیق ہے اس نے حمد، نعت، در مدح اشعار خود گوید، در حسبِ حال خود گوید، فطرت نسوانی وغیرہ متعدد موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ غواصی کی حمد و نعت عام ڈگر سے مختلف ہے۔ اسکے کلام میں بے ساختگی سادگی اور روانی کے علاوہ تاثر کی فراوانی ہے۔

ذیل میں چند عنوانات کے تحت اشعار نقل کیے جاتے جس سے اس کی قادر الکلامی اور شاعرانہ کمال کا اندازہ ہوگا۔

حمد

خدایا جو دانا ہے توں غیب کا ہے ستار بندیاں کیرے عیب کا
نہ آکار تج ہے نہ نرنکار توں نہ جوں دِسے سوں دھرے کار توں
سدا جیتی ایس کھانا سو تو تج جیواں مارتا ہور جلاتا سو توں تج
ترے راز تے کوئی آگاہ نہیں تصوّر کوں تیری طرف راہ نیں
کیا خاک تے آدمی پاک توں کرنہار آخر کوں پھر خاک توں
تج انگے سکے کون دم مارنے ترے حرف پر یا قلم مارنے

دھریں آس سب تیری درگاہ کی — کریں بندگی سب تج اللہ کی
اچنبا تری کارسازی دسے — اندیشہ کوں یاں محض بازی دسے
مجے بھر کرم حرا اے مہرباں — جو ہوؤں سرخرو تج تے دو نو جہاں
سبھی ہے جو یو عمر برباد ہے — وے ہر گھڑی توں مجے یاد ہے
اگر سوؤں یا جاگتا میں اچھوں — تیرا ناؤں تو لیوؤں ہر کئیں اچھوں

نعت

رتن خاص دریائے لولاک کا — جھلک لامکاں نور افلاک کا
محمد نبی سید المرسلیں — سدا روشن اس تھے ہے دنیا و دیں
عدم میں تھے عالم کوں پروردگار — اسی کے کیا نور سوں آشکار
رواج آفرینش کیا سو دہیچ — چراغ اہل بینش کرا سو وہیچ
ازل محض اس کا خزینا دسے — ابد عین اس کا مدینا دسے
ہوے ختم اس پر نبوت کے گن — بجے طبل اس کا قیامت لگن
رسولِ عرب ہور عجم آج او — رسولاں کے سب سیس کا تاج وو

منقبت

توں ہے سات جگ کا ولی یا علی — ولیاں تیرے جگ کے قلی یا علی
کہ توں وو کلیم آج معذور ہے — جو کھاندا نبی کا ترا طور ہے
کرامت تھے تیرے کنکر جھاڑ ہوئیں — سکی ڈالیاں سب ہرے جھاڑ ہوئیں
جو سب کٹھار تیری دراہی چلے — بھی کھن میں تیری جو شاہی چلے

غواصی نے اس مثنوی میں جگہ جگہ عورتوں کی بے وفائی اور مکر و فریب کی داستانیں دلکش انداز میں نظم کی ہیں ذیل میں ایک بدکار عورت کی کہانی غواصی کی زبانی پیش کی جاتی ہے۔

سنیا تھا جو یک بیتری گر جواں ۔۔۔ ادک سادہ دِل ہور مہرباں
سو بازار تے مول لانے شکر ۔۔۔ دیا اپنی عورت کوں جوں بھیجکر
چلی ایک بقال کیرے دوکان ۔۔۔ او بقال چنچل رُخ اس کا پچھان
مذاق اس ستی کر شکر باج دام ۔۔۔ دیا اُن سو چادر میں بندلے تمام
حیا چھوڑ دے چلبلے خیال سوں ۔۔۔ چلی مل کو گوشے میں بقال سوں
جو شاگرد تھا اس کی دوکان پر ۔۔۔ لیا کاڑ چادر میں کی او شکر
دغا دینے کا مکر جوں یک گندیا ۔۔۔ سو چادر منے خاک اس کی بندیا
ہوا نچان بیٹھا پھر اول کے سار ۔۔۔ یکائیک ان آئی سو بے اختیار
او گنٹھڑی بغل میں کھڑی ہو نہ کیں ۔۔۔ شتابی سوں اپنے چلی گھر کوں ویں
دیکھیا مرد جوں کھول ماٹی بغیر ۔۔۔ نہ تھی اس میں شکر سو پوچھیا نہ ڈر
دو فی الحال اٹھی بول یوں مکر سات ۔۔۔ کہ کیا پوچھتا ہے منجے یو توں بات
شکر لیا دنے کوں جو گئی بھار میں ۔۔۔ ہوئی یک بلا میں گرفتار میں
چھوٹیا تھا متا ایک ہتّی کڑ کڑا ۔۔۔ پڑی جا کے لوگاں میں میں گرہ پڑا
تلیں چھٹ پڑے ہات میں تھے جو دام ۔۔۔ دھنڈی گھابرے پن سوں یاں واں تمام
یکایک دو بیسے ملے نیں سو ویں ۔۔۔ او چاواں کی ماٹی لیکر آئی میں
اجھوں دھڑ دھڑاتا ہے سینا مرا ۔۔۔ یکائیک بھکل پکڑیا سینا مرا
مرا اعتقاد ایک تھا کر تسوں ۔۔۔ پنچایا خدا جیو دے منجکوں

"طوطی نامہ" میں غواصی نے ہر باب کے آغاز میں غروب آفتاب کے بڑے خوبصورت مرقعے پیش کیے ہیں، جس سے شاعر کی قادرالکلامی، قوت مشاہدہ اور کمال فن کا پتہ چلتا ہے۔

جگا جوت سورج اتم ذات کا | جو کر سیر سب دن سماوات کا
ڈبیا جا کے مغرب کے ظلمات میں | لگے دینے جوں دیوے رات میں
جو سنار آسمان کا کہن سال | منا سور کا مس ہیں مغرب کے گھال
ریا چاند کا کھود مشرق میں کھان | جو آنے لگیا سب جہاں جگ مکان
گگن بن تے جھڑ جوں گل آفتاب | لیا آپس بھیس ہیں مغرب کی داب
کنول چاند کا نرملا بے بدل | چمن تے جو مغرب کے آیا نکل
سورج روپ ونتا جو یوسف کے سار | لیا جاہ مغرب میں اپس اتار
سو مشرق کی مچھلی کیرے کڑپ تے | جو یونس کے نمنے چندر نس پتے
جوں اپنا کیا دیس پار اتمام | ہوا جمع یکٹھار اندھارا تمام
گیا سور مشرق تے مغرب کوں چل | ستاریاں سیتے چاند آیا نکل
مگر سور کا جیوں گگن تے اتر | گیا بیس مغرب کے دریا بھیتر
سو مشرق کے چشمے کے میانے تے بھار | نکل آئیا چاند مچھلی کے سار
سورج بور بچہ جوں اسمان پھیر | گیا قصد مغرب کے جنگل کی دھیر
ہرن چاند کا اپنے بچیاں سوں مل | جو مشرق کے صحرا اتھے آیا نکل
ترکمان خورشید کا بے نظیر | گیا چال مغرب کے جوں ملک دھیر
رین کے ہندوستان کا راج چاند | جوں آیا نکل صف ستاریاں کی باند
جو زاہد سورج پاک روشن ضمیر | ہوا جا کے مغرب طرف گوشہ گیر

صفا سات صوفی چندا دات کا کرن سیر نکلیا سموات کا
جوں اسمان تے سور کا برہمن چلیا غرب گنگا میں سندیا کرن
نجومی چندر نرملا نامدار
جو مشرق کی دیول تے نکلیا بھار

سوداگر کی بیوی فراق کے عالم میں بار بار طوطے سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ اس موقع پر پیش کیے ہوئے اشعار مکر و فریب کے بنیادی مقصد کے باوجود بڑی حد تک فطری اور انسانی جذبات کے عکاس معلوم ہوتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

لگیا دل مرا اک نوے یار سوں بھولے ہیں نین اوس کے دیدار سوں
کہاں تے مہاڑی ہو ہیں جا پڑی جو آنچ اوپر ایسی بازی کھڑی
نہ جانوں کہ کیوں ہے مرے بھاگ آج لگی ہے سینے کوں برہ آگ آج
جو عقل آج تک تھی مرے ہات میں کدھر گئی کی دستی نہیں ذات میں
سینا کوندڑتا ہے مسلم مرا قیامت لیایا ہے یہ غم مرا
جو ہنچے میں اچھتی اگر سنگ تے تو کر دل کوں گھٹ چپ رہتی ننگ تے
دلے کیا کروں ہے ہنچ خاک تے اہی واسطے برہ کی دھاک تے
الس میں اپس گل کے ہوتی ہوں نیر تو ایسے منے نہوے دستگیر
تو سینا مرا اترڑ خنے بارہ نیں کہ سکھ سوں رہنے جیو کوں ٹھار نیں

"طوطی نامہ" میں غواصی نے ہر باب کے آخر میں التزاماً دو اشعار ایسے لکھے ہیں جن میں عورت کے مکر و فریب اور اس کی فطری بدباطنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ دوسرے شعر کی ابتدا اس نے اپنے تخلص سے کی ہے۔

شکر تے اگرچہ ہے عورت مٹھی ولے سر بسر زہر کی ہے گٹھی
غواصی اگر نار کھا تک پہ آئے تو رسچ بات کوں جھوٹ کر یوں ساہرائے
جو پھٹ جا بچیاں کا سینا چور ہوے بری ذات ہے یو اگر حور ہوے
غواصی جنی خوب عورت اچھے رہے نا بغیر کوچ حیلے رچے
زباندار عورت تے ڈرنا بھلا کہ ہے جے بلا بد سو ہے یو بلا
غواصی سکیاں پر نہ دھر اعتبار کہ ہیں اندر ان کے یو پھل کے سار
مٹھیاں گرچہ دستیاں ہیں جیوں شکر آج ولے دل میں کچ نیں کڑوائی یا ج
غواصی جو ناریاں کیرا مکر کوے لکھے سو کتاباں تو پورا نہ ہوے
نہ جا ان کی ظاہر کی خوبی پو بھول کہ کانٹے تے ہے تیز یو گرچہ پھول
غواصی جفا کار عورت اگر کھڑی ہوئے آ مکر کے سیس پر
تو یک تل میں عالم کوں برہم کرے
خداوند اس ذات کوں کم کرے

غواصی کا تغزل

دکنی شاعری میں غزل کا پس منظر

دبستان دکن کے قدیم ادبی ورثہ میں اگرچہ کہ مثنوی کی صنف سخن نہایت مقبول رہی ہے، لیکن فارسی شاعری کی روایات کے اتباع میں قدیم دکنی شعراء نے ابتدا ہی سے غزل پر بھی توجہ کی ہے۔ ویسے گولکنڈہ کا پانچواں فرماں روا سلطان محمد قلی قطب شاہ پہلا غزل گو شاعر ہے جس کا مکمل دیوان عہد قدیم ہی میں مرتب اور مدون ہو چکا تھا، اور طویل عرصہ ہوا کہ ڈاکٹر زور نے اسے ایڈٹ کر کے شایع کر دیا ہے لیکن محمد قلی قطب شاہ کے پیشروؤں میں متعدد دکنی شاعروں کی غزل گوئی کے نمونے دریافت ہو چکے ہیں اور ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعرائے دکن نے عروس غزل کو ابتدا ہی سے سنوارنے کی کوشش کی تھی۔

محمد قلی، اور وجہی سے قبل قدیم اردو میں غزل گوئی کے جو نمونے دریافت ہوئے ہیں، ان میں مشتاق، لطفی، فیروز، محمود، خیالی اور احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔

مشتاق مشتاق محمد شاہ لشکری بہمنی (متوفی ۱۴۸۲ء) کے دور کا شاعر تھا۔ محمود شاہ بہمنی (متوفی ۱۵۱۸ء) کے عہد میں اسکو

مقبولیت حاصل ہوئی [۱] مشتاق نے غزلوں کے علاوہ قصیدے بھی لکھے ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قدیم اردو کا استاد سخن تھا۔ اس کی غزلوں سے اُردو کی قدیم ترین غزل گوئی کا اندازہ ہوتا ہے۔

او کسوت کیسری کرتن چمن میانے چلی ہے آ
رہے کھلنے کوں تیوں دستی او چنبے کی کلی ہے آ

سورج مرجان میں جیوں دستا نظروں کانپتی تھر تھر
جو لٹ پیچاں بھری سر تھے او رُخ اوپر ڈھلی ہے آ

سورج کی تاب سیتے جوں پگلتا برف آپس میں
او رخ دیکھت نظر انکھیاں کے انکھیاں میں گلی ہے آ

او دیکھو کعبہ کرن برہان کر سرپائی سولت او ہے
نین سدیوں دسے گویا کہ حج عین علی ہے آ

کہیا مشتاق فارسی سوں رہتے تم کاں جو میں آؤں
کہی واں گھر اہے میرا اگن کی جاں گلی ہے آ

لطفی

لطفی مشتاق کا ہم عصر شاعر تھا۔ اس کی صرف ایک غزل دستیاب ہوئی ہے جو ریختی کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس غزل کو قدیم اُردو کی اولین ریختیوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس غزل میں اسلوب بیان کی سادگی کے علاوہ سوز و گداز اور تاثر بھی موجود ہے۔

خلوت منے سجن کے میں موم کی بتی ہوں
یک پاؤں پر کھڑی ہوں جلنے پرت پتی ہوں

۱۔ ڈاکٹر زور۔ دکنی ادب کی تاریخ صفحہ ۴۱

سب کس کھڑی جلوں گی جا گا سوں نا ہلوں گی
ناجل کو کیا کروں گی اول سوں مدمتی ہوں
جلنے کوں نا جلاؤ بجھنے کوں آگ لاؤ
بو جوں تو پھر جلاؤ نا یک رتی رتی ہوں
شہ کے ملن کی مانی ہرنس جلن کوں آتی
سب قد کھرا جلاتی ہن آہ نیں کہتی ہوں
میں مست ہوں سجن کی سدبدھی ہوں تن کی
اب عشق کے مدن کی معزور مدمتی ہوں
جلنے کوں نا ڈروں گی ناجل کو کیا کروں گی
کیوں نا جلوں مروں گی اوّلتی عادتی ہوں
رسیا چتر رسیلے بھوگی سو شاہ محمد
مندر منے سجن کی نس جاگی رہتی ہوں
لطفیؔ ترے جلن کی بابا کی کہاں ہے اس میں
جیوں پانچ پانڈواں تے کہتے سو دھرتی ہوں

مشتاق اور لطفی کی غزل سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ یہ قدیم اردو کے اولین نمونے نہیں ہو سکتے، بلکہ ان کے پیشرو شعرا نے بھی صنف غزل پر طبع آزمائی کی ہوگی ورنہ غزل کے ان اولین نقوش میں اس درجہ پختگی اور روانی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

فیروز بیدری، سید محمود، ملا خیالی اور شیخ احمد گجراتی قدیم اُردو کے اساتذۂ سخن تھے، جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں قدرے تفصیل سے

کیا گیا ہے۔ یہاں ہر شاعر کی صرف ایک غزل نمونتاً پیش کی جاتی ہے جس سے قدیم اردو کے اولین غزل گو شاعروں کے کمال فن کا اندازہ ہو سکیگا۔

فیروز

سرو قدرت سہاوے جو نو بہار بن ہیں
نازک نہال پنجیا اس جیو کے چمن ہیں
دو نین ہر قدم تل میں فرش کر بچھاوں
جوں ہنس چلے لٹک تے سودھن ہنڈے انگن ہیں
یاقوت تے سرنگی دو لعل ہرا دہر تجہ
کیوں کر عقیق ہوں گے اس رنگ کے یمن ہیں
جس بزم میں پی جھلکے میرا جو چاند سب نس
روتا اچھوں و جلتا جیوں شمع انجمن ہیں
تیری کمر کی ہاوی سکھ سکھ ہوا جو دبلا
جیوں تار پیراہن کا یہ تار پیراہن ہیں
گوریاں سہیلیاں سب جگ کیاں بساریاں
جب ساٹولی سکھی سوں مائل ہوا دکھن ہیں
فیروز جے صمد کا دیکھن جمال صوری
ہر حال اس صنم کا آکھیں خیال من ہیں[۱]

---

[۱] ڈاکٹر جمیل جالبی۔ دیوان حسن شوقی۔ انجمن ترقی اردو لاہور ۱۹۷۱ء ص ۳۶

محمودؔ

جو کوئی تمارے عشق کی حالت ستے ماہر ہوا
چھوڑیا سگل اسلام کوں تجہ زلف میں کافر ہوا

جو کچہ ہرا اول سیتے سو ہو رہیا یاراں سنو
جس وقت اوسے ظاہر ہونا جگ منے ظاہر ہوا

ظاہر گنگا کے جل سیتی نہانا سو کچھ نیں اے بہن
خون جگر کے نیر سوں نہایا سو او طاہر ہوا

جو کوئی اپس کے دل منے دیکھیں اپس عیباں کے تیں
عیباں اپس کے دیکہ کر دو جہا اوپر ساتر ہوا

جس کو اپس کے منت کا جنت لکیا محمود ین
ہر لحظہ اپنے حال پر ہر دم اوپر ناظر ہوا[۱]

خیالیؔ

بالی سروپ سو دھن جوں پوتلی نین بیں
صاحب جمال ایسے سہے نہ کوئی لنگہن ہیں

سنسار کے چیتارے لکھنے سلے ہیں سارے
مکہ دیکہ سد بسارے گم ہو رہے اپن ایں

۱؎ جمیل جالبی دیوان حسن شوقی، انجمن ترقی اردو لاہور، ۱۹۷۱ء ص ۴۸

تجہ کیس گھونگروالے بادل پٹیاں ہیں کالے
تس مانگ کے اجالے بجلیاں اٹھیاں گگن میں

نارنج پھول جانی تس پھول آسمانی
دو پھول زعفرانی اچھے ہیں اس یم تن میں

یو بول بولتا ہوں موتی سوں رولتا ہوں
امریت گھولتا ہوں کھٹ دودھ کے انجن میں

فارسی میں ہے ہلالی ترکی میں ہے جمالی
دکھن میں ہے خیالی اس شاعری کے فن میں[۱۱۲]

احمد

میٹھے بچن ترے سن نا بات کر کے سمجیا
شیریں لباں یو تیرے جوں نبات کر کے سمجیا

بستاں میں ہے مکلل سر پر ہے زر کا انچل
جھلکاٹ دیک تکہ کا شب برات کر کے سمجیا

دشمن کے بولنے کا نیں اعتبار مجہ کن
یک بات میں دو تن کے کی گھات کر کے سمجیا

گالاں اپر موہن کے بکھرے گئے سو زلفاں
آب حیات اوپر ظلمات کر کے سمجیا

---

۱۱۲ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ دیوان حسن شوقی انجمن ترقی اردو لاہور ص ۳۶

احمد دکن کے خوباں ہوتیاں ہیں پر ملاحت
تو توں دکن کو اپنا گجرات کر کے سمجیا[۱]

محمدؐ قلی قطب شاہ محمد قلی قطب شاہ، دبستان دکن کا پہلا صاحب دیوان غزل گو شاعر ہے، جس نے سب سے پہلے صنف غزل کی جانب باقاعدہ توجہ کی ہے۔ محمد قلی کا ضخیم کلیات پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں غزلیں، قصیدے، مثنویاں، رباعیاں، مرثیے وغیرہ تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ رباعیوں اور مثنویوں کو چھوڑ کر محمد قلی کا پورا کلام غزل کے فارم میں ہے۔ اس نے مختلف موضوعات پر قافیہ اور ردیف کی پابندی کے ساتھ مسلسل غزلیں کہی ہیں۔

محمدؐ قلی کی غزل کی اولین خصوصیت جو ہماری توجہ کو مبذول کرتی ہے، اظہار بیان کی سادگی ہے۔ وہ اپنے مشاہدات اور تجربات زندگی کو سادگی اور روانی کے ساتھ بیان کرنے کا عادی ہے۔

مری سانولی من کی پیاری دسے — کہ رنگ روپ میں کونلی ناری دسے
ہے سب سہیلیاں میں بالی عجب — سرو قد ناری او تاری دسے
سکیاں میں ڈولے بازی سوں جب — او مکھ جوت تھے چند کی خواری دسے
نبی صدقے قطبا پیاری سدا — سہیلیاں میں زیبا تماری دسے

محمدؐ قلی کی غزل کی دوسری نمایاں خصوصیت واقعیت پسندی ہے۔ محمد قلی ایک حقیقت پسند شاعر ہے، اس نے اپنے احساسات، تجربات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو جلد اول مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۵ء ص ۲۰۴

اور مشاہدات کو حقیقت پسندی کے ساتھ شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

محمد قلی اپنی شاعری کے لیئے جو مواد فراہم کرتا ہے' وہ زیادہ تر اس کے اطراف واکناف کے ماحول سے اخذ کیا ہوا ہوتا ہے۔ تشبیہات' تلمیحات' دریاؤں' پہاڑوں' درختوں' پرندوں کے نام' قصوں کے حوالے۔ عام زندگی کے طور طریقے۔ رہن سہن کی عادتیں غرض ساری تصویر کشی ہندوستانی ماحول کی ہوگی چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

ہمیں ہیں عشق کے پنتھ میں دو عالم تھے بے پروا
لگیا ہے داغ منج دِل پر سو اس ہندوستانی کا

بُت خانہ نین تیرے اور بت نین کیاں پتلیاں
مج نین ہیں پوجاری پوجا ادھان ہمارا

مکھ ہیں بنفشہ رنگ تلا کا نور میں توں پائیا
جیوں سیام رنگ چنداسوں مل سب جگ میں چندنا چھائیا

تری تھڈی کے جل منے سو جیو کا جیون اہے
او چشمے منے میں نمن جیو کیا ٹھادا

محمد قلی کی حقیقت پسندی اس امر سے بھی واضح ہے کہ وہ اپنے کلام میں محبوب کو مونث باندھتا ہے۔ فارسی شاعری کے زیر اثر موجودہ شعرا محبوب کو کبھی مذکر باندھتے ہیں اور کبھی اسکی جنس مبہم رکھتے ہیں۔ لیکن دکنی شعرا اس خصوص میں کافی حقیقت پسند نظر آتے ہیں۔ محمد قلی نے غزلوں میں اپنی محبوباؤں کو میٹھیوں ناموں سے یاد کیا ہے مثلاً۔

چھبیلی سوں لگیا ہے دِل ہمارا   کہ اس بن نیں ہمن یکتل قرارا

مری سانولی من کی پیاری دسے ۔ کہ رنگ روپ ہیں کوئی ناری دسے
نہنی سانولی پر کیا ہوں نظر ۔ خبر سب گنوا کر ہوا بے خبر

محمد قلی کی حقیقت پسندی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس کے کلام میں ایسے نمونے بھی ملتے ہیں جنہیں عریاں نگاری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایک جمال پرست شاعر ہے اس کے یہاں شبابیات کے بڑے خوبصورت مضامین موجود ہیں۔

بدن مست بادل مست گگن مست پری مست
ہوے مست یون مست لگن مست پری مست
پری مست پیو، مست سرا مست ہوی مست
لی مست کبھی مست رسن مست پری مست
چولی مست کھلی مست کمل مست بھنور مست
قطب مست کری مست یون مست پری مست

بھگی چولی میں بھیٹن نس نشانی ۔ عجب سورج میں ہے کیوں نس کوں ٹھارا

محمد قلی کے کلام میں ریختی کا رنگ بھی موجود ہے۔ زمانہ حال تک لکھنو اسکول کے شاعر سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد سمجھا جاتا رہا ہے، لیکن جوں جوں دکنی شعراء کا کلام منظر عام پر آتا گیا یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قدیم اردو کے اولین شعراء کے یہاں بھی ریختی کے نمونے موجود ہیں۔ چنانچہ محمد قلی کے یہاں بھی ریختی کے رنگ میں بیسیوں غزلیں موجود ہیں۔

نہ بچھڑوں سائیں تجھے یکتل سہیلی | پیا کے رنگ سوں میں ہوں یکیلی
ترے درسن کی ہوں میں سائیں ماتی | مجھے لادو پیا چھاتی سوں چھاتی
پیا بچھڑا ہے مجکوں دکھ گھنیرا | نہ جانوں کب ملے گا پیو میرا

محمد قلی قطب شاہ فارسی شاعری سے متاثر تھا۔ اس نے خاص طور پر خواجہ حافظ کا اثر بھی قبول کیا ہے۔ اس نے متعدد غزلیں حافظ کے رنگ میں کہی ہیں اور حافظ کی بعض غزلوں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ لیکن ایسے مقامات پر اس کی غزل بے رنگ، روایتی اور تقلیدی ہو کر رہ گئی ہے۔

حافظ کی ایک غزل کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

گل بے رخ یار خوش نباشد | پھل بن رخ یار خوش نہ دیسے
بے بادہ بہار خوش نباشد | بے پیالا بہار خوش نہ دیسے
طرف چمن و طواف بستاں | گشت چمن و ہوائے کلیاں
بے لالہ عذار خوش نباشد | بن پیار د کنار خوش نہ دیسے
رقصیدن سرو و حالت گل | ناچیدن سرو د حالت گل
بے صوت ہزار خوش نباشد | بن ناد ہزار خوشیں نہ دیسے
با یار شکر لب و گل اندام | مو یار شکر لب د چینیا انگ
بے بوس و کنار خوش نباشد | بن اچن یار خوش نہ دیسے

اسد اللہ وجہی محمد قلی قطب شاہ کا ملک الشعرا وجہی قدیم اردو کا ایک باکمال غزل گو شاعر تھا۔ اس نے "قطب مشتری" میں آٹھ اور "سب رس" میں دو غزلیں وقفہ وقفہ سے شامل کر دی ہیں۔

"سب رس" اور "قطب مشتری" کی غزلوں کے علاوہ وجہی کی مزید دو چار غزلیں اور بعض غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار کا پتہ چلتا ہے جو مختلف بیاضوں میں محفوظ ہیں۔

وجہی کی غزل سادگی، روانی، حقیقت پسندی اور تاثر سے مملو ہے۔ ذیل میں اس کی غزلوں کے کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن سے وجہی کے شاعرانہ کمال کا اندازہ ہو سکے گا۔

پیو اپنے کوں ٹک آج میں نس سپنے دیکھی موے کر
جب پیو چلیا سٹ سیج ہنج تب سوتے اٹھی رووے کر

یکتائیں سہیلی مرنا، دل دوجے پر نہ دھرنا
اس پیوں کو اپنا کرنا اس باپی جیوں کوں کھوے کر

چلو نا جائیں اے سہلیاں ہمارا لال جاں اچھتا
ولے کوئی جانتا نیں ہے کہ ڈھونڈو وو کہاں اچھتا

نشاں نیں بے نشاں ہے وو نشاں اسکا نہ کی مجکوں
سکھی اڑ جائیں پنکھی ہو اگر اس کیں نشاں اچھتا

کسے میں انت دیوں میرا کھلے اب بخت کیوں میرا
نہ ہوتا حال یوں میرا اگر وو مہرباں اچھتا

مد عشق میں پیا سو چڑیا ہے اثر منجے ۔ سد عقل فہم چھین کیا بے خبر منجے

دھن کمر اگن میں پڑنے سمندر ہوا ہوں آج ۔ طوطی نہیں ہوں میں کہ جو بھاوے شکر منجے

اب بھاوتا ہوا ہوں سبھیں بھاوتیاں کوں چھوڑ ۔ دھن بھاوتے وو کھینچ لے اپنے ادھر منجے

بادل ہو باو ناد پھروں دشت میں اتال ۔ نا بھاوے سنگ چک کسی کا نہ گھر منجے

غواصی کا تغزل

ملک الشعراء غواصی دبستان دکن کا سب سے بڑا غزل گو شاعر ہے۔ غزل کے میدان میں نہ تو قطب شاہی دور کا کوئی شاعر غواصی کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے اور نہ عادل شاہی عہد کا کوئی شاعر اُس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

غواصی کی غزل کی سب سے نمایاں خصوصیت اظہار بیان کی سادگی ہے لیکن جو چیز اسکو قدیم اردو کے شعراء میں منفرد مقام بخشتی ہے اور اردو کے صف اول کے غزل گو شعراء میں لا کھڑا کرتی ہے وہ تاثر کی فراوانی اور سوز و گداز ہے۔ وہ اپنے قلبی واردات کو نہایت سلیس اور سادہ زبان میں پیش کرتا ہے۔

اے دل آرام میں جدھر جاؤں — دل کوں تیرچ پاس دھر جاؤں
نین کوں فرش سر کوں کر پاؤں — نت گلی میں تری گذر جاؤں
پاک تیرا جمال دیکھوں تو — سد بد چھوڑ بے خبر جاؤں
جب ترے برہ کا بدل گرجے — نیر ہو تب انکھیاں تے جھر جاؤں

غواصی کی غزل میں بھرتی کے شعر یا ایسے اشعار جن میں گہرا تاثر نہیں پایا جاتا بہت کم ملتے ہیں۔ غواصی دکنی اسکول کے دیگر کلاسیکی شعراء کی طرح ایک حقیقت پسند شاعر ہے اس نے اپنے کلام میں ہندوستانی ماحول یہاں کے سبزہ و گل، مناظر قدرت اور رہن سہن کے طور طریقوں کی گویا مکمل تصویریں پیش کی ہیں۔ اِس کے احساسات اور تاثرات میں فارسی شاعری کی کوئی چھاپ نہیں ہے۔ اس کی غزل میں ہندوستانی اقدار اور مقامی روایات کا احترام ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اس کے کلام میں حسن و عشق کے

وہی مضامین اپنائے گئے ہیں جو ہندوستانی ذوق کے تقاضوں کا ساتھ دے سکتے تھے۔ ذیل میں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن میں نہ صرف مقامی ماحول اور مقامی معاشرت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ بلکہ ان اشعار کے خالق کا اندازِ فکر اور اس کے تخیلہ پر بھی ہندوستانیت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

حال یکساں نہیں کہ جیوں جنا — گہ بھوں پور گہ اتر جاوں
نھنے خوے تج انجیر سے گال پر — جیوں ابلونج کا عین پورا ہوا
دل کی دیوانگی نہیں جاتی — بھونکتا ہوں جبتا دعایاں پڑ
رنگ بھر یا ج گھر میں آج آیا نبت — غیب تھے تازا طرب لیایا بسنت
کھول شہپر جیوں ہما اقبال کا — چھانوں میرے سیس پر چھایا بسنت[1]
پانی میں چھپ رہیا نہ نکل لاج تھے کمل — نازوک نرم دیکھ ترے دو ہنوار ہات[2]
کتا تج پھول کی خاطر کداں لگ — بھنور ہو یوں پھروں ہر ڈال ہر پات[3]
تری ناسک پہ تھے قربان ہوتا ہر گھڑی چنپا
ترے بالاں پہ تھے قربان جاتا ہر گھڑی بالا[4]
بھنور کر جیو کوں میرے ادکہ لبدا گیا تیرا
کمل مکہ ہور نین نرگس رنگیلا گال گل لالہ[5]

---

[1] مخطوطہ دیوان غواصی اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد ص ۵۱
[2] 〃 〃 〃 〃 ص ۵۰
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۴۹
[4] 〃 〃 〃 〃 ص ۳۰
[5] 〃 〃 〃 〃 ص ۳۱

غواصی کا تصور محبوب قدیم اُردو کے دوسرے شعرا کی طرح ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے، یہ محبوب نہ پیکر موہوم ہے اور نہ تخیلی و روایتی بلکہ گوشت پوست کا جاندار اسی عالم رنگ و بو کا مادی اور مجازی ہے جو ایرانی کم اور ہندوستانی زیادہ نظر آتا ہے۔

غواصی کی غزل میں محبوب کی جنس مبہم نہیں رہتی وہ اپنے کلام میں صنف نازک سے مخاطب ہے اور برملا انداز سے اپنے معشوق کو نار، دھن، سکی، سہیلی، سجانا، موہنی، سندری وغیرہ ناموں سے یاد کرتا ہے۔

اے نار تیرے نور تھے ہے انجمن کوں آج فرح
نازک تیرے قد تھے ہے سنگار بن کوں آج فرح

دھن کے چنچل نین کے سو کے سو جیوں گڑے ہیں
پتلیاں خوش اس گرباں پر جیوں ڈوں بڑاں جڑے ہیں

ہماری وہ چنچل سجانا کہاں لگی جیو ٹھیر یا نا کہاں

منج پیار کر سہیلی تیرا ثواب ہوگا ہم دین و ہم دنیا میں لٹی تج کوں لاب ہوگا

غواصی کی محبوبہ ہندوستان ہی کی پیداوار ہے۔ ہندوستانی فضا ہی میں سانس لیتی ہے۔ اس کے خط و خال، چال ڈھال، بناؤ سنگھار اور رفتار و گفتار میں بھی مقامی ماحول کے اثرات نمایاں ہیں۔

کالی بٹیاں میں پھول بھر چھب سوں گندی سو یوں دسی
تاریاں کی مہانی نگر کرنے تھے تارے تار رات [۱]

---

[۱] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد

توں اجھوں کونلی ہے بالی سرو جیوں تیرا ہے بالا
گال تیرے اس پہ دستے عین جیوں آپچھے گلالا[1]

لال دو گال رنگ بھرے تیرے   عین جیون نارنگیاں ہیں بنگالی
روپ اپنا دکھا کے بیشک توں   سورکوں سر تھے پاؤں لگ جالی
کھول ادھر منج سوں لبول بارے توں   کس چمن کی ہے پھول کی ڈالی

سرو کی ڈال ہے قد ہور گلابی گال تھے دھن کے
یوں سرخوش ہے بن سرخوش چمن سرخوش سمن سرخوش

مندرجہ بالا اشعار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے شاعر نے محبوب کے حسن کو اجاگر کرنے کے لیئے نہ صرف یہ کہ اپنے افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کو سادہ طرز اظہار اور رواں پیرایہ بیان میں پیش کیا ہے بلکہ حقیقت پسند نقطہ نظر کو بھی اپنایا ہے۔

غواصی کے تغزل کی ایک نمایاں خصوصیت، لہجے کی گھلاوٹ، زبان کی حلاوت انداز کی مخصوص نغمگی اور غنائیت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ پُر درد سروں کو غزل کے ساز پر اس طرح چھیڑتا ہے کہ سننے والا اپنے دل کے تاروں میں ارتعاش محسوس کرتا ہے۔

پیا بن پیا لا پیا جاے نا   پیا باج یک تل جیا جاے نا
کہیا تھا جو پیو بن صبوری کروں   کہیا جاے امّا کیا جاے نا
غواصی نہ دے منج دیوانے کوں پند   دیوانے کوں پند کچ دیا جاے نا[2]

---

[1] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد

[2] " " " " " " "

ہماری دو چنچل سجانا کہاں لگی چٹپٹی ٹھیر پانا کہاں
منجے اس تھے دل توڑ نہ کہتے ولے اسوں توڑ دل بھی لگانا کہاں
کہیا ہے غواصی غزل درد بھری ولے اس ایکا ایک سنانا کہاں
آیا نہ ہات اجھوں وو برہن آہ کیا کروں سینے میں رہ گیا یو برہن آہ کیا کروں
اس ار نجھے پیو کوں کوئی نہ جانے تیوں جامنا تا ہے جیو پا یاں پڑ
سوز پیدا کئے ہیں غواصی یو غزل آج آشنا یاں پڑ
منج پیار کر سہیلی تیرا ثواب ہوگا ہم دین وہم دنیا ئیں لگی تجکوں لاب ہوگا
منج نہ سدا اپنے حال کا ہے پیا جیت منجے تج خیال کا ہے پیا

محبوب کے فراق میں عاشق کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز سوز تڑپ اور اضطراب کی صورت میں کلام میں سنائی دیتی ہے مسلسل ناکامیوں اور فراق کے عالم میں عاشق کی حالت زار ملاحظہ کیجیے۔

اس پیو کے فراق منے آج منج لکھیں یک دن ہوا ہے ایک برس آہ کیا کروں
اس آفتاب باج مری انکھیاں تلیں دستا ہے دیس آج شب تار کیا کروں
غم منج سینے تھے بھار نکلتا نہیں ہنوز پاپی یو برہ سیس تھے ٹلتا نہیں ہنوز
انجھو تنتے دکھت پلکاں تھے میری ستارے تلملاتے ہیں گگن میں

غواصی کی غزلوں میں دکھ درد اور ہجر و فراق کی کیفیتیں نہایت موثر انداز سے پیش کی گئی ہیں تاہم اسکے یہاں نامرادی، احساس شکست اور مریضانہ ذہنیت نہیں پائی جاتی۔ اسکی غزلوں میں شوخی، شگفتگی رنگینی اور زندگی کے روشن پہلوؤں کی ترجمانی بھی موجود ہے،

پھول کے سار کھل شگفتا ہو غم کوں یکدھر تھے ناپدید کرو

عشق جو نا ہو رہ گیا ہے ویں　　پھر بجد ہوا سے جدید کرو
کھلے سر تھے گلزار الحمد اللہ　　اٹھیا جگ میں مہکار الحمد للہ
سوے بخت میرے جو تھے آج لگ ہو　　دیئے جاگ یکبار الحمد للہ
مرے ذوق شوق ہور آنند کیرا　　ہوا گرم بازار الحمد اللہ

سادگی اور تغزل کے نقطۂ نظر سے محمد قلی قطب شاہ بھی ایک خوش گو شاعر ہے۔ لیکن اس کی غزلیات میں وہ سوز و گداز اور تاثر نہیں جو غواصی کی غزل کی نمایاں خصوصیت ہے۔ ذیل میں محمد قلی اور غواصی کی ایک ہی زمین میں لکھی ہوئی غزل موازنہ کیلئے پیش کیجاتی ہے۔

یوسف گم سو پھر آگا اب بکنعاں غم نہ کھا
گھر ترا اُمید کا ہوگا گلستاں غم نہ کھا
بر ہے کھاوے وو دن تھا دور اپنے پیو تھے
دائم یک دھا تو نہ رہ سے کار میزاں غم نہ کھا
جم بہار عمر تج ہے پھر کہ آگا باغ میں
چتر پھل کا کھلک رنگیں مرغ خوشخواں غم نہ کھا
جنگل میں شوق سوں اب کعبہ خاطر رکھ قدم
تج اگر بولیں چبیں کانٹے مغیلاں غم نہ کھا
باٹ تیرا دور اگر ہے عشق نت تھ دکھلائیگا
شاہ رایاں توں ہے رایاں ہیں ذرا یاں غم نہ کھا
قطب شہ اس کنج وخلوت دینی منے
نا اپچھے ورد ت دعا و درس قرآں غم نہ کھا

عشق میں جاناں کے شرمندہ اچھے توں اے جاں غم نہ کھا
عہد و پیماں رکھ درست اپنا یہاں ہاں غم نہ کھا
درد منداں کا سو درماں عین اس کا لطف ہے
ہوے گا یکبارگی مشکل سب آساں غم نہ کھا
رات اندھاری ہوے کہ ہر گز پشیمانی نہ کھیچ
دن بی آوے گا نکل روشن ہو تاباں غم نہ کھا
یو دنیا دو دلیس ہے مہماں اسے کچ ٹھیر نیں
دل نہ باند اس ستے توں خوشحال رہ یاں غم نہ کھا
رنج و غم آئے ہیں دونوں مل ازل کے روز تجھے
جیوں گھڑیا تیوں سو بس غارتی توں چنداں غم نہ کھا
لا ابالی اچھ سدا ہور ذوق کر غواصیا
ہے ترے سر پر قوی بار اماماں غم نہ کھا

غواصی کی غزل کے ایک ایک شعر سے اس کا مخصوص رنگ تغزل، اس کی آواز کا دھیما پن اور اس کے لہجے کی متانت نمایاں ہے۔ اس کے اشعار ایک عظیم شخصیت کے فکر و نظر کی غمازی کرتے ہیں۔

غواصی کی غزلوں میں عورت کے لطیف جذبات کی ترجمانی کے علاوہ صنف نازک کی نفسیات اور اس کی فطرت کے شعور کا احساس بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ خصوصیت اس کی غزل میں کہیں کہیں ریختی کے انداز میں جھلک گئی ہے۔ غواصی نے اپنی ریختیوں میں عورتوں کے تاثرات عشق اور ہجر و وصال کے پر لطف تجربات کی بولتی ہوئی تصویریں پیش کی ہیں۔

راجنا کل جو خواب دیکھی ہیں — در شب ماہتاب دیکھی ہیں
نیند تھے آنک جو کھلی ناگاہ — گود میں آفتاب دیکھی ہیں
رات کیوں دن ہوا سو پائی نہ کچ — فکر کر بے حساب دیکھی ہیں

سہیلی نس ٹلی جیوں تیوں صبا ہوئی سور بجار آیا
جلانے منج برہنی کوں نکل جیوں گرم انگار آیا
سراسر اس تنک تن کوں نجھا کر دیکھتی ہوں تو
یکا یک دس کہ منج انکھیاں میں جیوں باریک تار آیا

درس دے درس منج دکھیاری کوں — دور کر دل کی بے قراری کوں
ہے ادھر سائیں کے امرت ولے پیالہ کر آج
منج پیاسی کوں وو امرت پلا دیں تو بھلا

غواصی ایک مرد قلندر اور آزاد منش انسان تھا اس لیے اس کی بیشتر غزلوں میں اخلاقی اور روحانی عناصر کی کارفرمائی ہے۔ اسکے یہاں

متعدد ایسی غزلیں موجود ہیں، جن میں روحانی تعلیمات یا بلند اخلاقی معیاروں کو اپنانے اور مادیت کی برائیوں سے بچنے کی تلقین ہے۔

میں اپنے دم تھے ہر ساعت بجالاتا ہوں شکرانہ — کہ ہر ساعت مرے دم کوں لگیا ہے ذکر یا حیّ کا
دنیا کے طمطراق تھے درمندگی بھلی — یعنی زمین کے سار سرافندگی بھلی
گر زندگی کی منج توں خبر پوچھتا ہے تو — جس زندگی کوں مرگ نئیں دو زندگی بھلی
منگتا ہے سرخروی ابد کی تو اے غواصؔ — شرمندہ اچھ توں آج کی شرمندگی بھلی

جو کوئی کچ کئے تو کیا ہوتا غواصی وو خدا جانے
بہ جتر پیو شاہ حیدر بن ہنجے دوسرا سنگاتی نئیں
ہمن عاشق دیوانیاں کوں پھیلے کہوتاں کیا کام
ہمن دیلے فقیراں کوں دنیا ہور دولتاں کیا کام
دنیا سوں کام نیں ہمنا یہاں آرام تیں ہمنا
ہمارا خام نیں ہمنا کسی سوں جھتاں کیا کام
غواصی توں خبر یا رے تماشا دیکھ دنیا کا رے
اندیش اپنا اندیشہ رکھے کسی سوں منتاں کیا کام

غواصی کو اپنے شاعرانہ کمال کا شدید احساس تھا۔ وہ اپنے ہمعصر یا پیشرو دکنی شاعروں میں کسی کو اپنا مد مقابل نہیں سمجھتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ غزل گوئی کے میدان میں غواصی نہ صرف دبستان دکن کا صفِ اول کا شاعر ہے بلکہ جدید غزل گو شعرا مومنؔ۔ حسرتؔ۔ جگرؔ اور فراقؔ سے بہت قریب ہے۔

غواصی کے کلام میں ایسے بیسیوں اشعار موجود ہیں جس میں ان نے

زمانے کی قدر ناشناسی اور اپنی شعری صلاحیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

طوطیاں سب ہند کے رغبت کریں تیوں آج خوش
شکرستاں ہو غواصی شکر افشانی کیا

بچن میری زباں کے آج تارے ہو منز جھمکیں کیوں
کہ ہے یہ چرخ زنگاری ورق میرے سفینے کا

زمانے آج کے میں وو نگینہ بے بدل ہوں جو
سلیماں باج کوئی قیمت نہ دیوے منج نگینے کا

جکوئی عارف کے صاحب ہیچ ہیں سو کہتے ہیں یوں
کہ یاں تو کوئی نیں دستا غواصی کے قرینے کا

بلند آوازہ سوں ملائک یو نا میرا لیکارتے ہیں
زباں کی شمشیر سوں غواصی ملک بچن کا لیا لیا کر

غواص جو یو غزل بولیا ہے سو اس کا   نوا ہے طرح نوا طرز ہور نوا قانون

جم اپنے اونچے خیال تھے ناز ہوک دھاواں پائے کر
کہتا ہوں غزلاں رنگ بھریاں قانون نوے لایا ڑیں

ضرب علی میں بولنا ہوں میراں کیرا منظور ہوں
غواص ہو مشہور ہوں اس سلطنت کے بھار میں

ان اشعار کے مطالعہ سے مرزا غالب کے حسب ذیل اشعار یاد آجاتے ہیں جس میں مرزا نے اپنی استادی کا لوہا منوانے کی کوشش کی ہے ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں   غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

ریختہ کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا
ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا
گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے جو لفظ کہ غالبؔ میرے اشعار میں آوے

غواصی کے کلام میں متعدد اشعار ایسے ملتے ہیں جس میں انوکھے اور اچھوتے مضامین کو دلنشین پیرائے میں پیش کیا ہے۔ حسب ذیل اشعار کو بعد کے شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں دہرایا ہے۔

۱۔ غواصی

نکلے تو سیر کرنے چمن میں تو خم ہو سرو دوڑا ہے تیرے پاوں پہ بے اختیار ہات[1]

ولی

ترا قد دیکھ تجہ پاواں پہ جھک جھک پڑے شمشاد کی ڈلی پہ ڈالی

غالب

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آوے

۲۔ غواصی

شہد تھے میٹھا ترا رسنا ہم شکر تھے میٹھی تری گالی

مومن

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں اے ہم نشیں نزاکت آواز دیکھنا

غالب

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

---

[1] دیوان غواصی (قلمی) صفحہ ۵۰

۳۔ غواصی

آنج ہنج دِل کوں کچ قرار نیں کیا کروں میں نزک و و یار نیں

غالب

آکہ میری جان کو قرار نہیں ہے طاقت بے داد انتظار نہیں ہے

۴۔ غواصی

کان سوں یو جو لگا زلف ترا اچھتا ہے
کیا کہتا ہے کہ نہ جانوں و و تیرے کان میں آ[۱]

ولی

بس کہ مج حال سوں ہمسر ہے پریشانی میں درد کہتی ہے مرا زلف تری کان میں آ[۲]

۵۔ غواصی

سخن پروراں یک تے یک ہیں زیاد ولے ہور ہے منج زباں کا سواد

غالب

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

۶۔ غواصی

رات اندھاری ہے کہ ہرگز پشیانی نہ کھینچ
دن بی آوے گا نکل روشن ہو تاباں غم نہ کھا

جگر

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہیں

---

[۱] [۲] مسعود حسین خاں قدیم اردو جلد دوم صفحہ ۸۰۴

۷- غواصی

نہ آوے نیند ہمسایاں کوں میرے چلانے تھے   گلا یو آہ بھرنے تھے ہوا ہے چلچلا یا رب

میرؔ

جو اس شور سے میر روتا رہے گا   تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

۸- غواصی

گل فکر تھے ہوا ہے کلیجا لہو وَلے   انکھیاں کی باٹ نیر ہو ڈھلتا نہیں ہنوز

غالبؔ

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل   جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

غواصی کے قصائد اور رباعیاں

دکن میں قصیدہ نگاری کا پس منظر

غواصی طبعاً ایک غزل گو شاعر ہے صنف غزل کے علاوہ اس کا فطری جوہر مثنوی میں بھی واضح طور پر نمایاں ہے۔ لیکن جس زمانے میں غواصی نے شعر گوئی کے میدان میں قدم رکھا دکنی شاعری میں فارسی شاعری کی دوسری اصناف بھی رائج ہو چکی تھیں۔ عہد وسطیٰ کا زمانہ بادشاہوں اور شہنشاہوں کا زمانہ تھا قصیدہ کی صنف فارسی میں اپنے اوج کمال کو پہنچ چکی تھی۔ فطری طور پر شعرائے دکن نے بھی قصیدے کی صنف کو اپنی طبع کا موضوع بنایا۔ دکنی کے اولین قصائد بیشتر صوفیوں اور مذہبی رہنماؤں کی مدح میں لکھے گئے ان میں سے اکثر قصائد ایسے ہیں جن میں قصیدے کے اس فارم کی پابندی نہیں کی گئی ہے جو فارسی میں مروج تھا بلکہ قدیم اردو کے متعدد قصیدے مثنوی کے فارم میں لکھے گئے ہیں۔ بعد کو فارسی میں قصیدوں کا مروجہ فارم دکن میں بھی مقبول ہونے لگا۔ دکنی شعراء کے قصیدوں کے بیشتر نمونے ابھی تک مخطوطات کی شکل میں ہیں، ان میں سے بہت کم زیور طبع سے آراستہ ہو پائے ہیں بحالت موجودہ دکنی کے ممتاز شاعروں میں حسب ذیل تین شاعر ایسے ملتے ہیں جنکے قصائد

مطبوعہ قصیدوں میں قابلِ ذکر حیثیت کے حامل ہیں پہلا وجہی ہے اور پھر غواصی اور نصرتی۔

وجہی وجہی کی معرکتہ الآرا مثنوی "قطب مشتری" کے علاوہ قدیم اُردو میں اس کی کوئی اور شعری تصنیف آج تک منظرِ عام پر نہیں آئی لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے مثنوی کے علاوہ غزل اور قصیدہ پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اس مثنوی میں وجہی نے مثنوی کے علاوہ غزل اور قصیدہ کو بھی طبع کا موضوع بنایا ہے قطب مشتری میں وجہی نے مثنوی کے فارم میں چند قصیدے لکھے ہیں جن میں قصیدے کے رنگ و آہنگ کے علاوہ دکنی اسکول کی نمایاں خصوصیات سادگی، روانی اور حقیقت پسندی بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ذیل میں قطب مشتری سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے وجہی کا انداز قصیدہ نگاری واضح ہوگا۔

ابراہیم قطب شاہ راجا دھراج — شہنشاہ ہے شاہ شاہاں ہیں آج
عدل بخشش ہور داد اس کے اچھے — سدا خلق سب شاد اس تے اچھے
جتے بادشاہاں ہیں سنسار کے — بھکاری ہیں سب اس کے دربار کے
سلیماں تے فاضل ہے اس بخت بل — پری دیو جن سب ہیں اس حکم تل
ایس عدل کے بدل تے و وجگ ادھار — رکھیا باگ بکری ملا ایک ٹھار
یتا بل ہے اس عدل کے فن منے — کہ بجلیاں کٹریاں کا پتیاں کھن منے

یتا داد انصاف ہور عدل تھا
کہ مرغابی کوں باز کا ڈر نہ تھا

نصرتی نصرتی عادل شاہی عہد حکومت کا شاعر ہے۔ جہاں تک قصیدہ نگاری کا تعلق ہے دکنی اسکول کا کوئی شاعر نصرتی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ دکنی قصیدہ میں فارسی قصیدہ کی تمام تر روایات کا مکمل التزام سب سے پہلے نصرتی کے قصیدوں ہی میں ملتا ہے۔ اس نے فارسی شاعری کی مکمل تقلید ہی نہیں کی بلکہ دکنی قصیدوں کو فارسی کے معیار پر لا کھڑا کیا ؎

علی عادل شہ غازی شہنشہ بوالمظفر کوں
دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کوں
زہے بوالفتح غازی یو ہمایوں جس کے تازی سر
فرشتے جس کے جوڑے ہیں ہما کر اپنے شہپر کوں

بیجاپور کے آخری زمانے میں نشو و نما پانے والی شاعری میں فارسی اسلوب کا رنگ کسی قدر گہرا ہو گیا تھا چنانچہ نصرتی نے بھی دکنی اسکول کے مروجہ اصولوں سے انحراف کیا اور فارسی اندازِ بیان کی تقلید میں اس نے سادہ اور رواں اسلوب کی جگہ مرصع اور پرپیچ طرز بیان اختیار کیا۔ اسکے اسلوب و آہنگ میں انوری اور خاقانی کے انداز نمایاں ہیں

دیکھیا آئندا جب صبا تس مکھ جو سکھ آپار کا
تِس کے ہنسنے میں گل جھڑیا یعنے سورج جھلکار کا
شہ کی شگفتہ طبع کا گلشن یو جا سایہ پڑے
ہر یک کلی کی ٹھار او بچہ ہونے گل کھلیا مہکار کا

جس مہربانی کی نظر ز جیو کو امرت ٹھار ہو

ہور تس دلاسے کا سبد مرہم ہے دل افگار کا

نصرتی ایک قادر الکلام شاعر تھا اس کے قصائد میں طرز ادا کی جدت، ندرت فکر، الفاظ کی شان و شوکت، جوش اور گھن گرج موجود ہے۔ جو قصیدے کے اہم اجزاء تصور کیے جاتے ہیں، چونکہ علی عادل شاہ کی لڑائیاں اور فتوحات در پیش تھیں اسلیے اکثر قصیدوں میں واقعات جنگ اور بادشاہ کے ہاتھی گھوڑے اور تلوار کی تعریف کی گئی ہے۔

جب تے جھلک دیکھیا ادک سورج نزی تروار کا

تب تے لگیا تھر کانپنے ہو پر عرق یکبار کا

کوئی بند جو تیری کھڑک کی پانی تے دریا میں پڑے

کھا جوش ادک یک نیر ہوے تختہ الکھ ڈیک گار کا

جب تج کھڑک پر آسماں جو ہر کی جاگا جس لکھیا

ہے فتح تب تے تج انگیں ٹھانک لے خدمتگار کا

کیا تج کھڑک کا پاٹ ہے انا فتحنا کا الف

نصر من اللہ تو تجے ساقی ہے ہر اوچار کا

غواصی قدیم اردو کے قصیدہ نگار شعراء میں قصائد کی تعداد اور تنوع کے اعتبار سے غواصی کا پلہ سب سے بھاری ہے۔ اسکے مرتّبہ کلیات میں جملہ (۲۱) طویل قصیدے موجود ہیں۔

غواصی نے فارسی کے مشہور قصیدہ گویوں انوری، خاقانی اور عرفی کے قصیدوں پر قصیدے لکھے ہیں اور بعد کو سودا نے بھی ان ہی

زمینوں میں اپنے مشہور و مقبول قصیدے لکھے ہیں ذیل میں کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں ؎

انوری

جرم خورشید چو از حوت در آید بہ حمل
اشہب روز کند ادہم شب را ارجل

غواصی

دو[1] کون کا جو ہے خالق خدائے عز و جل
کیوں اس کے ناؤں پہ ہر دم نہ جاوں میں بلبل

سودا

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

خاقانی

نثار اشک من ہر شب شکر ریز است پنہانی
کہ ہمت راز ناشوئیست بازا نود پیشانی

غواصی

الا اے جو گئی ہو گی الا اے ظل سبحانی
سدا تج بخت کا تارا اچھو دو جگ میں نورانی

سودا

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنارِ تسبیح سلیمانی

عرفی

جہاں بگشتم و دردا بہ ہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

غواصی

یو چاند سور ستارے نت اسکی خدمت میں
ادب سوں باندھ کھڑے ہیں صفاں یمین و یسار

سودا

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منت دستار
کہ سرگذشت لکھی ہے مری بہ خط غبار

[1] ناقص الاول

دبستان دکن میں غواصی کے قصائد اسلیئے اہمیت کے حامل ہیں کہ اس نے قصائد میں بھی دکنی اسکول کے رجحانات کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ غواصی بات کو راست طور پر سادگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کرنے کا عادی ہے۔ اسلیئے اس کے قصائد میں بھی مثنوی اور غزل کی طرح سادگی اور روانی کا جوہر نمایاں ہے۔ غواصی کے قصائد اجنبی اور نامانوس زبان سے بالکل عاری ہیں جو فارسی قصاید کا طرۂ امتیاز ہے ؎

زباں اُچاوں ترے شکر سات اے باری
کہ ہر زباں پہ ترا شکر ہے سدا جاری

تہیں کریم تجی کوں سبجے کریمی جم
تہیں غفور تجی کوں سہاے غفاری

کسی جہاں میں توں نیں دیکھا سو نیں ہے کچ
کہ ہر ذرے کے اپر ہے تری نظر ساری

تجھے نیئں ہے کسی کی مدد سوں کچ حاجت
کہ کل شئے کوں تج تھے ہے جم مددگاری

کھلے نہ تیرے اشارت بغیر گل بن میں
کرے نہ تیری رضا باج باد عطاری

ڈھلے نہ بند تیرے حکم باج بادل کے
ہلے نہ تیرے کہے باج یو زمیں بھاری

ایس میں آپ ہیں حیران دیکھ تری قدرت
تمام خاکی و بادی و آبی و ناری

سادگی، روانی اور حقیقت پسندی کے علاوہ غواصی کے قصائد کی ایک اور نمایاں خصوصیت جو اُس کو نہ صرف دبستان دکن کے شعرا میں اہم مقام بخشتی ہے بلکہ بعد کے اہم قصیدہ گو شاعروں سے بھی ممتاز کرتی ہے، اس کے قصائد کی نغمگی اور موسیقی ہے۔

آج سنہ گھر ہے ٹھار ٹھار خوشی ذوق پر ذوق ہور ہزار خوشی
سکھ یہ سکھ اس سجن کوں دسنے میں آئے ہے جیوں پری سنوار خوشی
نازنیناں کے بیس زلفاں میں بھوگ لیتی ہے تار تار خوشی
اس برس گانٹ کی طرف تھے آج سب کو بخشا ہے کردگار خوشی
سنہ سول اتری ہے خوش رلیاں میں آج کر سہیلیاں کے دل میں ٹھار خوشی
لہلہاتے چمن کے جھاڑاں پہ آئی ہے پھول پھل ہور بار خوشی

تراکیب کے برمحل انتخاب اور الفاظ کے در و بست میں بھی غواصی نے خوش آہنگی کو مدنظر رکھا ہے اور بعض قصائد میں اس نے طویل اور مترنم بحریں استعمال کی ہیں۔

اے رنگ رتیاں کے رنگ رتی سائیں بے مثال
اے پیو جہاں کے جیو کے اے لال جگ اجال

جو قد ترا نہال ہے خوبی کے باغ کا
تر لوک ہوئیں دیک اسے ہر گھڑی نہال

پتلی ہو منج انکھیاں میں دیوے جلوہ صبح و شام
جم گال کا جو قال ہے آرائش جمال

زمانے آج کے ازما کے جاں تاں دیکھتا ہوں تو
کہیں گفتار ہے تو ہے کہیں رفتار نیں تو نیں
کسی کی تج کوں جستی ہور ہوشیاری سوں کیا نسبت
توں اپنی ٹھار اچھ ہشیار کوئی ہشیار نیں تو نیں

غواصی کو بادشاہ کی طبیعت اور معاملات سلطنت میں کافی دخل حاصل تھا اسکو ایک معتبر درباری یا مشیر کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی وہ اپنے قصائد میں حکام سلطنت کی کوتاہیوں کی طرف بادشاہ کی توجہ مبذول کراتا ہے اور اُسے ضروری مشورے بھی دیتا ہے چنانچہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں بعض عہدہ داروں نے جب رشوت ستانی کا بازار گرم کر رکھا تھا اور یہ بات بادشاہ کی نظروں سے اوجھل تھی۔ غواصی نے ایک با اعتماد مشیر کی طرح بادشاہ کو مخاطب کر کے تفصیل کے ساتھ اس صورت حال کا ذکر کرتا ہے ؎

دفتر بھمن گردان کر ضایع کئے ہیں ران کر
ایسا نکو نادان کو جم راج کرائے راج توں
اس قوم تے وو ڑلے بھلے جم اندھلے بوڑے بھلے
یو نے نکو تھوڑے بھلے جم راج کرائے راج توں
جس کیا ہے ان کو یاد میں جاں یو ہے واں کچ داد نیں
کوئی خلق انوں ستے شاد نیں جم راج کرائے راج توں
ہر کام میں کر حرکتاں بے شک دو لیتے رشوتاں
ہیں یو بڑے بے دولتاں جم راج کرائے راج توں

بردانیاں کوں توڑ یو چھو جیاں کوں لیالیا جوڑ یو
لشکر سے سب کو بچوڑ یو جم راج کرا ے راج توں

یو ملحداں جب تے ملے تب تے نہیں یاں کچ بلے
اتیچ میں توں سچ لے جم راج کرا ے راج توں

کر رستمی اس سین میں لیا کافراں کوں دیں میں
مشہور ہو جگ تین میں راج کرا ے راج توں

پکڑے نہ تیوں کوئی لانچ کوں کر قتل یاں دس پانچ کوں
سلگا غصے کی آنچ کوں جم راج کرا ے راج توں

تج دور میں مو کھول میں بولیا ہوں نادر بول میں
جو ہرا مولک رول میں جم راج کرا ے راج توں

غواصی کے قصائد میں اسکا حسنِ طلب بالکل واضح اور کھلے الفاظ میں ملے گا جبکہ اردو کے اہم قصیدہ گو مرزا غالبؔ، ذوق وغیرہ بات کو اشاروں کنایوں میں پیش کرتے ہیں مرزا غالبؔ ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں ۔

"اُمید وار عنایات" " شیونارائن "

کہ آپ کا ہے نمک خوار اور دولت خواہ

ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص گر تجھے ہے اُمیدِ رحمت عام

غواصی کا حسنِ طلب ملاحظہ کیجیے۔

ہزار حیف جو تج شاہ کا ہو شاعر میں
نہ پاؤں سال منے تین ہزار دو تین بار

ہے وقت آج ترا جے کرے سوں تج کوں سرے
ہے اختیار ترے ہات اے سپہر وقار
اگرچہ شاہ کی دولت تھے کچ تو نیں ہے کمی
ولے فلک کے حوادث تھے ہے بڑا آزار
میں آج لاڈ تج ایال کچ کروں تو چلے
کہ ہے مدام مرا لاڈ توں چلاؤن ہار
یو نظم ختم کیا جب نہ رہیا نہ کچ باقی
گیا تمام نکل منج سینے پہ تھا سو غبار

غواصی کوں بھلا کہو یا کوئی برا کہو | تیرا ہے لاک توں نظر اس خاکسار پر
توں بار دار جھاڑ کیا پال کر اسے | ابر بہار ہو برس اس بار دار پر
تیری دعا سوں بول قصیدہ یو بات کوں | ناکر دراز ختم کیا اختصار پر

بعض قصیدوں میں غواصی سلطان عبداللہ قطب شاہ کو ایک با اعتماد مصاحب کی حیثیت سے مشورہ دیتا ہے کہ شاعروں اور اہل کمال کی خاطر خواہ قدر دانی اور سرپرستی کی جائے اور اسی طرح ضعیفوں اور مسکینوں پر بھی نظر کرم کی جانی چاہیئے۔

منج سیار کے کئی لک بندے مسکین دبلے دو منڈے
ہیں تج کرم کے شرمندے جم راج کر اے راج توں
رکھ توں اسے بے غم سدا اہل ہنر سوں گم سدا
جیوں پھول اچھ خرم سدا جم راج کر اے راج توں

گر شاعراں سوں تو لگے خاطر فراغت سوں جمے
تج تھے نہال ہوویں ہمے جم راج کرائے راج توں

اس دکھن کے شاعراں میں تج شہنشاہ کے نزیک
ہے غواصی ہور وجہی شاعر حاضر جواب

عارفاں ہیں سو کہتے ہیں یوں کہ آج اس دور میں
شیر ہیں یو شعر کے فن میں بحق بوتراب

تج نول شہ کے بزرگاں کے ہیں نادیرے ہمیں
یوں نہ رکھ تج دور میں ہمنا کوں ڈبلے ہور بے آب

گرچہ بے ساماں ہیں ہور مفلس یک بھیک وے
ہے بچین ہر اک ہمارا بے بدل در خوشاب

ایک قصیدے میں وہ بادشاہ وقت سے درخواست کرتا ہے کہ اُسے جو گاؤں بطور جاگیر عطا کیا گیا ہے اس سے وہ خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اُسے ایک مزید گاؤں عنایت کیا جائے۔ اس قصیدہ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ کی خواب گاہ پر معمولی سپاہیوں کے علاوہ بادشاہ کے با اعتماد درباریوں کا بھی پہرہ مقرر کیا جاتا تھا چنانچہ غواصی کو بھی اس کام کیلئے مقرر کیا گیا تھا جو اس کی افتادِ طبع سے میل نہ کھاتا تھا۔ غواصی اپنے قصیدہ میں اس کام سے معافی کی استدعا کرتا ہے ؎

منج کوں دیئے ہیں گاؤں سو کچھ دست نیں اس ٹھانو سو
ہیں گاؤں کر چپ نانو سو جم راج کرائے راج توں

معمور ہور ہر یک گاؤں میں جو شاہ کی دولت پاؤں ہیں
تج سکھ سوں روٹی کھاؤں ہیں جم راج کرائے راج توں
مقصود میں ہور یک دھروں ناغہ پکڑنے کر ڈروں
ہر رات آ پہرہ کروں جم راج کرائے راج توں
بھیری تھے نیں پھیرا منجے تر تخے بہت زہرا منجے
کر ماف یو پھیرا منجے جم راج کرائے راج توں

غواصی نے اپنے قصائد میں مدح بادشاہ کے علاوہ دعا کے بیان میں بھی اپنی قادر الکلامی اور تخیل کی بلند پروازی کے جوہر دکھائے ہیں.

جدھاں تلگ ہے زمانہ جدھاں تلگ ہے زمیں
جدھاں تلک یو بدل سانت کالے لو و بار
جدھاں تلک ہے ملک ہور جدھاں تلک ہے حور
جدھاں تلک ہے یو زہور جدھاں تلک ہے نار
تدھاں تلک تو خوشیاں سات راج کر راجے
تجے مدد ہے خدا ہور احمدؐ مختار
جو تلک اسمان پر سور کر اسیر ہے
جو تلک اس جگ میں ہے گردش لیل و نہار
جو تلک آرام ہے نیر کوں دریا منے
جو تلک اے دھرتری تازہ ہے جیوں لالہ زار
تو تلک اے راجنا ذوق سوں توں راج کر
ہے ترے سر پر توی حیدر دلدل سوار

مصحفی نے نواب آصف الدولہ کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں دعا کے اشعار غواصی کے مندرجہ بالا اشعار کا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔

جب تلک ہے یہ شب و روز کا ہنگام گرم
جب تلک ہے مہ و خورشید کی روشن شعل
جب تلک آنکھ ستاروں کی ہیں نظارہ فریب
جب تلک مہ شب تاریک کا پارے کاجل
جب تلک خاک سے ہوتی ہے نباتات پدید
جب تلک آب سے ہوتی ہے روانہ جدول
یا الٰہی رہے محکم یہ ترا پنجہ و تیغ
یا الٰہی رہے قائم یہ ترا دین و دول

نصرتی کے قصیدوں کے مقابلے میں غواصی کے قصائد کو ایک جداگانہ حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ دونوں دکنی اسکول کے شاعر ہیں لیکن نصرتی کے قصائد دکنی روایات کی پوری طرح پابندی نہیں کرتے نصرتی نے فارسی قصائد کی تقلید میں زبان میں اجنبی اور غیر مانوس عناصر کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی زبان اکثر مقامات پر پر اکھڑی اکھڑی سی معلوم ہوتی ہے نصرتی الفاظ کے انتخاب میں اعتدال نہیں برتتا۔ اسے قافیہ کی تلاش میں ثقیل سے ثقیل الفاظ استعمال کرنے سے تامل نہیں۔ اسکی کہنہ مشقی اور پختہ کاری نے اسے دکنی یا قدیم اردو کا مقبول قصیدہ گو ضرور بنا دیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کاوش اور علمیت کے باوجود روحِ شاعری نصرتی کے

بعض قصائد میں مفقود ہے اس کے برعکس غواصی کے قصیدے عام بول چال کی زبان، موزوں الفاظ اور تراکیب سے مرصع اور شعریت سے آراستہ و پیراستہ ہیں ذیل میں غواصی اور نصرتی کے ایک ہی زمین میں لکھے ہوئے قصیدوں کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

غواصی

شکر خدا جو ذوق پر ہے ذوق ٹھارے ٹھار آج
یعنی ہوا ہے ہر طرف ہور ابر گوہر بار آج

نادو بہارستان کا زرگر ہزاراں صنع سوں
کیتا جڑت گلزار کے جھاڑاں کوں خوش سنگار آج

کسوت ہری کر دھرتری شبنم کے موتیاں میں ہو غرق
دیتی ہے جلوہ ہر گھڑی جیوں گنبد دوّار آج

صحرا ہو دنیا نور کا موجاں پہ موجاں ماد کر
بخشے چیندر ہور سور کوں سکھ ہور صفا آیار آج

گلزار تیرے عشق کا کملائے کرنا ئیتوں کدھیں
انکھیاں تھے اپنے جیوں بدل برسے انجھو کی دھار آج

نصرتی

دی ہے زمستاں نو گزی دو رنگا اچا دھند کار آج
سردار ہو باد خزاں تھنڈ بکار چیا ہے بھار آج

اپٹیا ہوا کا فوج یوں شبنم کی گولیاں چھانٹنا
ڈرسوں اگن ہوں چھانپ لے ڈر رھی ہے ٹھارے ٹھار آج

اواگر کوئی مارے تو دم اٹھتی جھی ہو سب تن زبان
ویسی بی سرکش سر نو اپیلی دسے سد ہار آج
سب کس بی تس کے ماریں اور ڈرے تلک بس ہیں اچھے
دو ڈرے ہے نس کے میاں تیں یوں کھینچ تھڈ تردار آج

غواصی کی رباعیاں

رباعی اردو شاعری کی نہایت مقبول صنف سخن ہے۔ یہ صنف سخن مخصوص رنگ و آہنگ اور منفرد لہجہ کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک خاص حیثیت کی حامل ہے۔ قدیم اردو میں بھی رباعیاں ابتدا ہی سے موجود نظر آتی ہیں۔ چنانچہ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ نے اس صنف پر باقاعدہ طبع آزمائی کی ہے۔ محمد قلی کے کلیات میں کل ۳۹ رباعیاں موجود ہیں۔ ذیل میں محمد قلی کی کچھ رباعیاں پیش کی جاتی ہیں جس سے اس امر کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو کے ابتدائی دور ہی میں یہ صنف سخن کافی ترقی کر چکی تھی۔

اے باد مری بات اسے چوری سوں کہہ   میری سو گیت بات توں اس چھوری سوں کہہ
پھل جائے نمن وو بات اس گوری سوں کہہ   سمجھا کہہ توں نکو سر زوری سوں کہہ

ہے پھول کا ہنگام مد سوں بار اں حاضر   پھولاں کے نمن ہمارے ہیں یاراں حاضر
اس وقت پہ کیوں توبہ کیا جائے منجے   توبہ شکناں ہور نگار اں حاضر

کہیا ترے لب کیا ہیں کہی آب حیات   کہیا کہ ترا لبدا کہی حب نبات
کہیا کہ بچن تیری کہی قطب کی بات   اس میٹھی لطافت یہ سدا ہے صلوات

وجہی نے محمد قلی کی طرح مستقل طور سے رباعیاں نہیں کہی ہیں

لیکن "قطب مشتری" کے قصّے کے دوران اس نے جا بجا غزلیں اور رباعیاں بھی چسپاں کر دی ہیں ذیل میں وجہی کی چند رباعیاں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

تج یاد بنا ہور منجے کام نہیں
نس جاگتے جاتی ہے دن آرام نہیں
میں تو تجے منگتی اد ک جیو وے
توں کیوں منجے منگتا سو کچ فام نہیں

میں نار بہسوں اس شہر تلک جائے بن
چنچل سکی کا چک درس پائے بن
اس جیو دوانے کوں کیوں ہوے قرار
اس نار کوں اس ٹھار لے کر آئے بن

غواصی نے رباعی کو باقاعدہ طور پر ایک صنف سخن کی حیثیت سے برتا ہے۔ اس نے اس صنف کو پند و موعظت اور اخلاق و تصوف کے محدود دائرے سے نکال کر اس کے دامن کو وسیع تر کر دیا ہے اور اردو رباعی کو ہر قسم کے احساسات اور تصوّرات کے اظہار کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

غواصی کے مرتبہ کلیات میں چودہ رباعیاں شامل ہیں جو تصوف، اخلاق و حکمت، حسن و عشق، بادشاہ کی مدح وغیرہ موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔

اخلاق و حکمت

غواصی ایک صاحبِ فکر شاعر ہے اخلاق و حکمت کے نکات اس کی غزلوں میں بھی نمایاں ہیں اور رباعیوں میں بھی۔ اس نے بیشتر رباعیوں میں پند و موعظت کے نکات اخلاقی رموز اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کو اپنانے کی تلقین کی ہے۔

عاشق کوں اہانت نہ کر اندیش کوں دیکھ
باطن میں جیوں شیر نہ اس میش کوں دیکھ
جس ہات پکڑ عشق سر افراز کیا
سلطان کر اس جان نہ درویش کوں دیکھ

بن دام توں اے یار کسی ہاٹ نہ جا
بن پیر پرت باٹ کدھن داٹ نہ جا
جے باٹ جو سیدی نیں معشوق طرف
سنتا ہے مری بات تو اس باٹ نہ جا

فلسفہ اور تصوّف غواصی کو فلسفہ اور تصوّف سے خاص لگاؤ تھا اس نے اپنی رباعیوں میں دنیا کی بے ثباتی فلسفہ فنا اور موجودات عالم کی ناپائیداری کا ذکر کیا ہے۔

اے دل جو یو دنیا سے گذرتے گذری
ہونی کدھیں خالی کدھیں بھرتے گذری
سودا لے اس مول نہ کر آج د رنگ
ہے بیگ سمر نہار یو سرتے گذری

دیکھ عام یو دنیا کہے منزل سو ہیچ
یا خاص سو عقبیٰ کہے حاصل سو ہیچ
حیران ہوں مولی کی طلب میں پورا
عاشق سو کہے سبھے ہے مشکل سو ہیچ

غواص توں حق باج کسے منگ نکو
گر ہے توں موحد تو کسوں سنگ نکو
مارگ میں محبت کے ہیں کانٹے کانٹے
کانٹیاں پہ چلیا نیٹ سوں جالنگ نکو

حسن و عشق غواصی نے رباعیات کے عشقیہ، شبابیاتی اور خمریاتی موضوع پر بھی طبع آزمائی کر کے اس صنف سخن میں ارضیت اور واقعیت کا اضافہ کیا اس کی رباعیوں کے مطالعہ سے محمد قلی کی عیش و نشاط کی محفلیں اور عمر خیام کی مے پرستی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے حسب ذیل رباعیوں میں غواصی کا محبوب مجازی اور مادی ہے۔

اے پیو پچھی یک بات ہے تج سات بغیر
کس دھیر کہیا جائے نہ و دات بغیر
کج بست رکھے ہوں تیرے تیں گنٹھڑی باند
آکھول کے کھل سے نہ و تج ہات بغیر

یک رات کے دکھ کا کروں کیا تج سوں گلا
انجھواں تھے مرے نین کے تھا سیج گلا
باور تجے لگنا کہ سیجوٹی کے بول
راکھے ہوں گوا چاند کوں تاریاں سوں ملا

اے عقل تجھے رفیق دانا ہونا اے عشق تجے یار دیوانا ہونا

میں مست ہوں دن رات منجے جام ہور مے محبوب ہور ترانہ ہونا

—

پتلی کوں تیری ناؤں جو برجبیں رکھیا مہتاب وہیں باؤں پو آبیس رکھیا
اس ناز بھری آنک کے سنگار بدل سرمے کے تمن جیو کوں میں پیس رکھیا

—

ہشیار کدھیں نہ ہووسے مستی میری مے سات رنگی گئی یو ہستی میری
جیوں چاند ہور آفتاب عالم میں مشہور ہے آج مے پرستی میری

—

وو ناز بھری آنک مرے جاناں کی سد چھین لیتی چھن میں مسلماناں کی
اس گال پہ جو بال بکھر بکھرتے ہیں گویا ہے وو جماعت پریشاناں کی

—

میں بانج گنہ کام بھی کچھ کرسوں نہ محبت بغیر از جام کسوں دھرسوں نہ
دوزخ تھے ڈراتے ہیں منجے لوگاں آج غفار قوی سر پہ ہے میں ڈرسوں نہ

—

رُباعی کے فارم میں بادشاہ کی مدح کا یہ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

اے شاہ یا فتاح جم تیری زباں کا ورد اچھو
انا فتحنا تا ابد ترے ظفر کا برد اچھو
تعویذ تج اقبال کے بازو کو آنادِ علی
آلِ عبا کا سو دعا جیو کو تیرے گرد اچھو

مکہ آج جو اس ظل خدا کا دیکھا
داب اسکی بزرگی کی ادا کا دیکھا
کوئی چھانو نبی کا نہ دیکھیا آج تلک
صد شکر کہ میں چھانوں خدا کا دیکھا

قدیم اُردو شاعری میں غواصی کا مقام

قدیم اردو شاعری اور ادب کے جو نمونے گذشتہ چالیس پینتالیس برسوں میں منظر عام پر آئے ہیں انھیں بہ آسانی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصّہ میں وہ نثری اور شعری تصانیف شامل ہیں جنہیں لسانی نقطہ نظر سے اردو زبان کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جیسے خواجہ بندہ نواز کے مختصر رسالے، نوسرہار، شاہ میراں جی شمس العشاق کی تصانیف وغیرہ۔ قدیم اردو کی ان تصانیف کا تعلق اردو زبان کے ایک ایسے دور سے ہے جبکہ یہ زبان بولی (DIALECT) کے مرحلے سے گذر کر ادبی زبان کی منزل میں داخل ہو رہی تھی۔ اس دور کے تحریری آثار اردو کی اولین تحریروں کی حیثیت سے ہمیشہ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں یاد رکھے جائیں گے۔ مندرجہ بالا نوعیت کی تحریروں میں ادبی خوبیوں کی تلاش تحصیل حاصل ہوگی کیونکہ موجودہ دور میں ان تحریروں کی اہمیت تاریخی ہے نہ کہ ادبی۔

قدیم دکنی شعر و ادب کے دوسرے حصے میں نثر و نظم کی ایسی تصانیف شامل ہیں جو ادبی نقطہ نظر سے بھی قابل لحاظ قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ ان کی اہمیت صرف تاریخی اور لسانی ہی نہیں بلکہ ان کا شمار

ادب پاروں میں بھی کیا جائے گا۔ وجہی، محمدؐ قلی، غواصی، نصرتی، شوقی، شاہی اور ہاشمی کے ادبی کارنامے موخرالذکر حصے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری زبان نے طویل عرصے کے بعد اپنے فراموش کردہ قدیم ورثہ کو حال ہی میں دریافت کیا ہے اور اردو کے مستند عالموں میں آج بھی ایسے افراد کی تعداد صرف انگلیوں پر گنائی جا سکتی ہے جو قدیم اُردو پر اسقدر عبور رکھتے ہوں کہ محمد قلی یا غواصی کے کلام کو خاطر خواہ سمجھ سکیں قدیم اُردو کے مندرجہ بالا شعرا کی تصانیف کے جو متن شائع ہوئے ہیں ان میں سے بیشتر صرف مخطوطات کی نقلوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور مرتبین نے اکثر صورتوں میں متن کو خود سمجھے بغیر اسے "زیور طباعت سے آراستہ کر دیا ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو واقعہ یہ ہے کہ قدیم دکنی کے باکمال شاعروں کو معمولی اور اوسط صلاحیتوں کے شاعروں سے ممیز کر کے ان کا تفصیلی مطالعہ اور انکے کلام کا تنقیدی اور تحسینی جائزہ عملاً" ناممکن ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر زور مرحوم نے محمد قلی قطب شاہ کے کلیات کو مرتب کر کے شایع کیا اور اس پر ایک طویل اور بسیط مقدمہ تحریر فرمایا۔ حیدر آباد میں بڑے اہتمام سے ہر سال یوم محمد قلی کی تقریبات منائیں۔ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر کی حیثیت سے محمدؐ قلی کے نام کے خوب چرچے ہوئے ــــ ان ساری کوششوں کا حاصل یہ ہوا کہ اہل اردو محمد قلی کے نام سے بہرحال آشنا ہو گئے اور محمدؐ حسین آزاد کے الفاظ میں "کوئی سمجھا ہوئی نہ سمجھا لیکن واہ واہ سب نے کی" اور لوگ محمدؐ قلی کو قدیم اردو کا ایک عظیم المرتبت شاعر ماننے لگے۔

لیکن قدیم اُردو کے ذخیرہ میں ایسے متعدد صاحبان کمال کی تخلیقات

ابھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں جن کے جوہر سے دنیائے ادب ہنوز ناآشنا ہے۔ ان میں سب سے اہم نام ملک الشعراء غواصی کا ہے۔ قدیم دکنی پر اس درجہ عبور حاصل کر لیا جائے کہ محمد قلی، وجہی، غواصی اور ہاشمی کی تخلیقات کے مطالعہ میں زبان کی قدامت حائل نہ ہو تو کوئی صاحب نظر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ غواصی ایک غزل گو اور مثنوی نگار کی حیثیت سے قدیم اردو کا عظیم ترین شاعر ہے اور معیاری اردو کے شعرا کی صف میں بھی غزل گو اور مثنوی نگار کی حیثیت سے اس کا نام چوٹی کے تین یا چار شاعروں میں کیا جائے گا۔

قدیم دکنی میں ایسی متعدد چھوٹی بڑی مثنویاں موجود ہیں جنہیں ہم اردو کی شاہکار مثنویوں میں شمار کر سکتے ہیں۔ اگر زبان پر عبور حاصل کر لیا جائے تو دکنی اسکول کی مثنویاں، دلّی اور لکھنؤ اسکول کی مثنویوں پر سبقت لے جاتی ہیں۔ ان مثنویوں میں سب سے اہم نام "قطب مشتری" کا ہے۔ وجہی عام شاعروں کی طرح ایک بڑا شاعر ہی نہیں تھا بلکہ اپنے عہد کا ایک بلند پایہ عالم اور مفکر بھی تھا۔ آج سے کوئی تیس سال قبل مولوی عبدالحق نے وجہی کی تصانیف "قطب مشتری" اور "سب رس" کو مرتب کر کے شائع کیا تھا اور ان پر مقدمے بھی لکھے تھے۔ لیکن مولوی صاحب نے وجہی کے مرتبہ کو گھٹا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعد کو وجہی کی تصانیف کا قدرے تفصیلی مطالعہ کیا گیا تو قدیم اردو کے عالموں نے محسوس کیا کہ وجہی صرف قدیم اردو کا ہی نہیں بلکہ تاریخ اردو کا بلند پایہ شاعر ہے۔

"قطب مشتری" کے بعد دکنی اسکول کی سب سے اہم مثنویاں "سیف الملوک و بدیع الجمال" اور "طوطی نامہ" ہیں۔ وجہی اور غواصی کی زبان کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ غواصی کی زبان وجہی کے مقابلے میں نسبتاً عام فہم اور رواں ہے۔ اس کا کلام شعریت سے معمور ہے۔ ذیل میں وجہی اور غواصی کا ایک ہی موضوع پر لکھا ہوا کلام پیش کیا جاتا ہے۔

غواصی	وجہی
اگر کوئی فرزند ہوتا منجے	سو ہو تیک امید ہور آس تھے
تو یہ جگ میں آنند ہوتا منجے	منگیا ایک فرزند خدا پاس تھے
بڑا ناؤں ہوتا مرا ٹھار ٹھار	کہ فرزند تے ناؤں اچھتا اہے
دنیا میں رہتا یک مرا یادگار	اپے گئے تو اپلے ناؤں اچھتا اہے
سدا رات دن اسکوں ہی کام تھا	یہی بات پھر پھر کے کہتا اچھے
نہ نس نیند نا دن کوں آرام تھا	اسی دھیان میں نت دو رہتا اچھے

اُردو شاعری میں رزمیہ نگاری کے بہت کم نمونے ملتے ہیں۔ نصرتی دبستان دکن کا پہلا شاعر ہے جس نے رزمیہ نگاری کی طرف باقاعدہ توجہ کی اور اردو ادب کے دامن کو رزمیہ شاعری سے مالا مال کیا۔ نصرتی کے بعد مرثیہ گو شاعروں نے بھی رزمیہ شاعری کے بے مثال نمونے پیش کئے ہیں لیکن ان کے کلام میں صرف تخیل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ جبکہ نصرتی کی شاعری کی بنیاد مشاہدات و واقعات اور حادثات ہیں۔ ذیل میں

نصرتی کی مثنوی "علی نامہ" سے چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

کھناکھن تے کھڑکاں کے یوں شور اٹھیا — جوں تن میں پہاڑاں کے لرزا چھوٹیا
بلا نیند میں تھی سو ہشیار ہوئی — اجل خواب غفلت تے بیدار ہوئی
ہوا زور کھڑکاں تے پانی کا پور — لگے تیرنے ہو کھڑک جس کے چور
ہویاں لھو کیاں چھٹکاں ہوا پر بخار — سٹے تیغ جیباں سوں شعلے ہزار

غواصی نے نصرتی کی طرح رزمیہ شاعری کی طرف باقاعدہ توجہ نہیں کی لیکن "سیف الملوک و بدیع الجمال" میں بعض مقامات پر اس نے لڑائی کے مناظر بڑی خوبصورتی سے پیش کئے ہیں۔

جو دو راج وو دھر تے برہم ہوے — گگن ساتوں ہیبت تے درہم ہوے
غصے کا جو بارا اٹھیا زور سوں — پڑیا اس کے لشکر پہ جا قہر سوں
سٹے خاص ہور عام کوں کاٹ کاٹ — جو جس کوں نہ سجا اتھا باٹ کھاٹ
جو دریا لہو کا ابلنے لگیا — گگن اس پو کشتی ہو چلنے لگیا

بحیثیت غزل گو غواصی نہ صرف دبستان دکن کا ایک عظیم المرتبت شاعر ہے بلکہ معیاری اردو کے چوٹی کے تین چار شاعروں میں شمار کیا جانے کا مستحق ہے۔ سادگی، روانی اور تاثر غواصی کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیات ہے۔ اس نے سادہ طرز اظہار اور رواں پیرایہ بیان کو اپنے افکار و جذبات کا ذریعہ بنایا ہے۔

تیرا جمال دیکھنے اکثر علی الصباح — آتا ہے آفتاب نکل ہر علی الصباح
درس دے ورس فنبج دکھیاری کوں — دور کر دل کی بے قراری کوں

غواصی اور ولی اورنگ آبادی کے کلام کے سرسری مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ قدیم اردو کے یہ دونوں عظیم المرتبت شاعروں کے افکار وخیالات اور جذبات واحساسات میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولی، غواصی سے بیحد متاثر تھے، شاید اسی لئے انہوں نے راست طور پر غواصی کے کلام سے استفادہ کیا ہے۔
ذیل میں دونوں کے کلام سے دو ہم قافیہ اور ہم وزن غزلیں نقل کی جاتی ہیں، جس سے ولی کی غواصی سے اثر پذیری کا اندازہ ہو سکے گا۔

۱۔ غواصی

عاشق ہے جن تج لال کا اس مال ودھن سوں کیا غرض
ہے کام جس کوں روح سوں اس کوں بدن سوں کیا غرض

یوسف کوں اپنے بھاد جن نئیں کاڑ سکتا بائیں تھے
مقصود کیا ہے ڈول سوں ہور اُس رسن سوں کیا غرض

تج مکہ بہارستان کے، نادر تماشے کے انگے
صحرا سوں کیا نسبت منجے ہور پھول بن سوں کیا غرض

تیرا جمال انسان کی تعریف تھے ہے بھار آج
جس کوں سنوار یا ہے خدا اس اہرمن سوں کیا غرض

راواں غواصی سار کا مٹ بول خاص اچھتے براں
اے شکرستاں جیو کے تج کوں زغن سوں کیا غرض

ولی

تجھ زلف کے بیتاب کوں مشک ختن سوں کیا غرض
تجھ لعل کے مشتاق کوں کان یمن سوں کیا غرض

مدت ستی اے گلبدن چھوڑا چمن کی سیر کوں
مشتاق ہوں تجھ درس کا مجھ کوں چمن سوں کیا غرض

پروا کفن کی نیں مجھے اے شمع بزم عاشقاں
تجھ عشق میں جو سر دیا اس کوں کفن سوں کیا غرض

بر جا ہے گر اہل ہوس طالب نہیں مجھ شعر کے
جن کوں سخن کی بوجھ نہیں ان کو سخن سوں کیا غرض

ہرگز ولی کے پاس تم باتاں وطن کے مت کرو
جو نیہ کے کوچے میں ہے اس کوں وطن سوں کیا غرض

۲۔ غواصی

جب تیرا عشق سٹیا دست گریبان میں آ
صبر ٹکڑے ہو پڑیا عقل کے میدان میں آ

بات نہ بول مجھے دِل سوں بھلاوں کیوں اتال
کہ یکایک پڑیا جیب کے میدان میں آ

بھوت دیساں تھے میں اے چاند ہوں مشتاق ترا
کر مقام آج مرے نین کے اسمان میں آ

کان سوں یو جو لگا زلف ترا اچھتا ہے
کیا کتا ہے کہ نہ جانوں دو ترے کان میں آ

یں تو فرمان میں پھرتا ہوں ترے دل سوں وے
ایک دن تو بھی دیا کر مرے فرمان میں آ

شعر بن جو توں منگے اپ ستی یو سیر کرن
دیکھیا خال ترے موں کی مہ قرآن میں آ

آئیا سورہ یوسف سو تیرا حسن نکل
سیر کر ذوق سوں غواص کے دیوان میں آ[۱]

ولی

وہ صنم جب سوں بسا دیدہ حیران میں آ
آتش عشق پڑی عقل کے سامان میں آ

یاد آتا ہے مجھے جب وہ گل باغ وفا
اشک کرتے ہیں مکاں گوشہ دامان میں آ

نالہ و آہ کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سوں
دفتر درد بسا عشق کے دیوان میں آ

درد منداں کو بجز درد نہیں صید مراد
اے شہ ملک جنوں غم کے بیابان میں آ

جگ کے خوباں کا نمک ہو کے نمک پروردہ
چھپ رہا آ کے ترے لب کے نمکدان میں آ

بس کہ مجھ حال سوں ہمسر ہے پریشانی میں
درد کہتی ہے مرا 'زلف تری' کان میں آ

---

[۱] ڈاکٹر مسعود حسین خاں۔ قدیم اردو جلد دوم صفحہ ۷۰ لم

غم سوں نیر ے اب ولی حال سوں بے حال ہوا
ظلم کر چھوڑ سجن شیوہ احسان میں آ

مزید چند ہم مضمون اشعار ملاحظہ کیجیے جس سے ولی اور غواصی کی فکر میں مشابہت کا اندازہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔

غواصی

کاں ہے وو قدرت جو دیکھے تج کدھن گھور آفتاب
گرچہ اپنے حسن میں ہے آج مغرور آفتاب

روپ تج اپروپ وے پیدا کیا ہے کر خدا
پا ئیا جانو خبر تو جا رھیا دور آفتاب [1]

ولی

کیوں ہوسکے جہاں میں تیرا ہمسر آفتاب
تجھ حسن کی اگن کا ہے یک اخگر آفتاب

جن نے تیرے جمال پہ کیتا ہے یک نظر
دیکھا نہیں وہ پھر تے نظر بھر کر آفتاب [2]

غواصی

اے پری پیکر ترا مکھ آفتاب   دیکھتا ہوں تو، رہے نہ منج میں تاب [3]

ولی

ترے مکھ کے سورج کوں دیکھ جیوں برف   ہوے ہیں عاشقاں سر تا قدم آب

۱، ۳ دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد

غواصی

گذرتا دِل میں خیال اسکی زلف کا پریشاں ہوا سی تھے یوں پڑیا ہوں

ولی

خواب میں دیکھا تھا تیری زلف کوں دِل میں ہے باقی پریشانی ہنوز

غواصی

بات سنبڑے نہ تج حقیقت کی عِشق بازی بغیر مجاز کرے

ولی

در وادی حقیقت جن نے قدم رکھا ہے اول قدم ہے اس کا عشقِ مجاز کرنا

غواصی نے جدت ادا، اچھوتے مضامین اور نئی ترکیبوں کے ذریعہ دامانِ غزل کو وسعت بخشی، وہ خود اپنی غزل کے تعلق سے لکھتا ہے ؎

غواص جو یوں غزل بولیا ہے سو اس کا
نوا ہے طرح نوا طرز ہور نوا قانوں

جم اپنے اونچے خیال تھے نازوک دھاواں پالے کر
کہتا ہوں غزلاں رنگ بھریاں قانوں نوے لیا یا ڑمیں

قصیدہ ہور غزل کہتے کے فن میں دیکھتا ہوں تو
غواصی میں ظہیر فاریابی کی نشانی ہے

ہمیشہ تیری ثنا میں رتن بکھیرواں ہیں مجے قصیدہ کہوں بے مثال گاہ غزل

غواصی نے اپنی غزلوں میں عشقیہ معاملات کے گوناگوں مسائل کو پراثر انداز میں پیش کیا ہے، شاید ہی عشق و عاشقی کا کوئی جذبہ یا

کوئی کیفیت ایسی ہو جس کو اس نے اپنی طبع کا موضوع نہ بنایا ہو۔ غواصی کے عشقیہ اشعار، متنوع موضوعات اور اسالیب کی رنگا رنگی کی بدولت نشاطیہ شاعری کے سدا بہار مرقعے معلوم ہوتے ہیں حسب ذیل اشعار اس کے شاعرانہ کمال کی غمازی کرتے ہیں۔

سراپا نگاری

اے پری گن بھری گھنگروالی ہے توں جانی کے مد کی متوالی
مست تج نین ترک زادیاں کا غمزہ استاد زلف ہے والی
لال دو گال رنگ بھرے تیرے عین جیوں نارنگیاں ہیں بنگالی
چھب سوں تیرے سینے پر جھلتے سوں نہ کہ وو موتیاں کی ہے جالی
مکھ پہ تیرے ہیں یوں عرق کے بند پھول پھوٹے ہیں جیوں برشگالی
درس تیرا اسود بن کا دیوا لٹ تری کفر کی ہے دیوالی

معاملہ بندی

دل میرا تیرے ہات سنپڑ کر سد سٹیا ہے تمام گرہ بڑ کر
پیار کر منج کہ تیرے عشقوں تھے بہوت دبلا ہوا ہوں اڑ اڑ کر
سہیلی تج پری ناکوں تو کیا کوں تجھیلی چھند بھری ناکوں تو کیا توں
تری باریک بال ایسی کمر کوں یں اپنی لاغری ناکوں تو کیا توں
اے دل آرام میں جدھر جاؤں دل کوں تیرے ہی پاس دھر جاؤں

سوز و گداز

پیو باج انکھیاں کوں آئے نہ خواب ہرگز
بے تاب ہوں نیں کچ منج تن میں تاب ہرگز

اے سجن تج کوں یاد کر پل پل — روؤں اپس میں اپیچ میں ڈھل ڈھل
اس آفتاب باج مری انکھیاں تلیں — دستا ہے دیس آج شب تار کیا کروں

شوخی و ظرافت

شہد تھے میٹھا ترا اُسنا — ہم شکر تھے میٹھی تری گالی
اے سجن اگر توں سرفراز کرے — تو مکڑ ہت چڑے کوں باز کرے
پیار کر منج کہ تیرے عشقوں تھے — بہوت دُبلا ہوا ہوں اڑ اڑ کر

فکر شاعرانہ

دھریں دائم عجب پروانہ ہمت کے پراں میرے
یو نوا نبر جو اونچے ہیں سو گمنے کے گھراں میرے
دیوانے ہیں کروں یکدھر تے سب کوں تو عجب کیا ہے
کہ جم باتاں کے منتراں سوں بھرے ہیں دفتراں میرے
غواصی جوہراں جوتی تولئی دھرتا جنوں میں آ
کہاں دو جوہری پارکھ جو پرکھے جوہراں میرے

تشبیہات

گلتا ہوں چاند تمنے اپس میں اپیچ میں — تج دھن کے زلف کی شب دیجور کے بدل
لال دو گال رنگ بھرے تیرے — عین جیوں نارنگیاں ہیں بنگالی
تج مکھ پہ زلف بار سوں ہلتا سو یوں دسے — جیوں صبح سات کرنے کوں آیا ہے شام بجٹ [۱]
کالیاں بیٹیاں میں پھول بھر چھپ سوں گندی سو یوں دسی
ناریاں کی مہانی نگر کرنے تھے ناوے تارہ رات [۲]

[۱،۲] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد۔

سچ کہو تج گل منے یا جوہراں کی ہے پدک
یا نکل پڑ آسماں پر تھے ہوا چور آفتاب ۱ے
مہندی توں لائی ہے سو منجے محض یوں دسے
جیوں عاشقاں کے لہوسوں کئے ہیں نگار ہات ۲ے
سو کبیاں سوں دو طرف تھے ترے نین چلبلے
جیوں لشکریاں کھڑے ہیں لے ننگی کٹار ہات ۳ے

غواصی کے کلیات میں ریختی کے نمونے بھی موجود ہیں۔ جس کے مطالعہ سے اس وقت کی ازدواجی زندگی اور طرز معاشرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان ریختیوں میں ایک ہندوستانی شوہر پرست عورت کے ہجر و وصال کی کیفیتں نظم کی گئی ہیں۔

اے سجن تج کوں یاد کر پل پل   رووں ایسی ہیں اپیچ میں ڈھل ڈھل
ہوں جو گوری تھی سو کالی ہوئی   آگ سوں تج فراق کے جل جل
گر رضا ہوے تو دیکھنے تج کوں   پاؤں کر سر کوں آؤں گی چل چل

سہیلی نس ٹلی جیوں تیوں صبا ہوئی سو ربھار آیا
جلانے منج برہنی کوں نکل جیوں گرم انگار آیا
جکوئی جیو کا سنگاتی تھا سو مطلق منج تے مکھ موڑ آیا
نہ دل میں مہر کچ اس کے نہ ذرا دل میں پیار آیا

جہاں تک ریختی گوئی کا تعلق ہے ہاشمی بیجاپوری دبستان دکن کا سب سے اہم ریختی گو شاعر ہے۔ اس نے ریختی کو ہی اپنی طبع کا موضوع

۱ے، ۲ے، ۳ے دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد۔

بنایا تھا۔ اس کی تمام تر غزلیں ریختی ہی کہلانے کی مستحق ہیں، اس کے یہاں نہ صرف عورتوں کی زبان کی مکمل خصوصیات ملتی ہیں بلکہ اس عہد کی طرز معاشرت، عقائد اور توہمات کی تفصیلات بھی پائی جاتی ہیں۔ غواصی کی ریختیاں ہاشمی کے مقابلے میں زیادہ پر اثر، رواں اور تغزل سے معمور ہیں۔ ذیل میں دونوں شاعروں کی ایک ہی موضوع کے تحت لکھی ہوئی ریختیاں پیش کی جاتی ہیں:۔

غواصی

اس ٹھنڈ تے سہیلی میں جو اکڑ رہی ہوں
پیو کا وصال ہو گا کر جیو پکڑ رہی ہوں
دسریاں سجن کی دولت ہو گرم ٹھنڈ کوں بسریاں
میں کانپتی پنجے میں ٹھنڈ کے سنپڑ رہی ہوں
عالم کی ٹھنڈ ساری منج گھر میں آ بھری دیکھ
میں پیو پیو کہتی کونے میں ڈر رہی ہوں
سامان صبر کا سب ٹھنڈ لوٹ لے گئی دیکھ
ہمت نہ ست پکڑ دو جوبن کی گڑ رہی ہوں

ہاشمی

اجڑ گی ٹھنڈ کے دھاکوں کلیجہ کانپتا تھر تھر
ادائی یا ڑلیتا ہے مرا دو سان ٹھنڈ کالا
پیا ایسے میں آوے تو گلے لگ کر گرم ہوں گی
کرم سیں اب کے ہوینگی دو دا نادان ٹھنڈ کالا

نہیں شبنم کے بونداں یو ہمارے حق پہ گوبیاں ہیں
دندی ہو مارتا منج کوں برہ کے بان تھنڈ کالا
کہو کوئی ہاشمی سوں جا کے دن رجھنے رجھانے کوں
شتابی آونا نہیں تو لیا گن گیان تھنڈ کالا

۲۔ غواصی

راجنا کل جو خواب دیکھی ہیں | درشب ماہتاب دیکھی ہیں
رات کیوں دن ہوا ہو یا لی نہ کچھ | فکر کر بے حساب دیکھی ہیں
دھو سی بخت سب کتاباں کا | عشق کا جو کتاب دیکھی ہیں

ہاشمی

سکھی میں خواب میں دیکھی سریجن آے ہیں جانو
اچا کر پیار سوں مجکوں گلے سوں لاے ہیں جانو
سکھیاں کی لاج سوں اٹھکر چلی سوں میں سریجن نے
مری پشواز کا دامن پکڑ بلاے ہیں جانو
یکایک آنکھ کھولی تو دیکھی وہیں ہاشمی آے
سیجا ج خواب ہونے کو یلا کئی لاے ہیں جانو

غواصی کی شاعری کے قدرے تفصیلی مطالعہ کے بعد راقم کا خیال ہے کہ وہ دبستان دکن کا سب سے بڑا غزل گو شاعر ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی غزلیں غواصی کے تغزل کے مقابلے میں بے کیف معلوم ہوتی ہیں۔ وجہی کی غزلیں تعداد کے نقطہ نظر سے نہ ہونے کے برابر ہیں علی عادل شاہ شاہی کا سرمایۂ غزل بھی کمیت اور کیفیت دونوں اعتبارات سے غواصی کے

مقابلے میں کم تر درجے کا حامل ہے۔ صرف ریختی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یقیناً ہاشمی کو افضلیت حاصل ہے کیونکہ وہ تنہا شاعر ہے جس نے ایک مستقل دیوانِ ریختی اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ لیکن عام غزل گو شاعر کی حیثیت سے دبستان دکن کا کوئی شاعر غواصی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔

قدیم دکنی شاعری کے سرمایۂ غزل کے مقابلے میں مثنوی کی صنف کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ وجہی کی "قطب مشتری" ابن نشاطی کی "پھول بن" نصرتی کی "گلشن عشق" اور "علی نامہ" دبستان دکن کی مشہور مثنویاں ہیں لیکن شاعرانہ کمال کے نقطۂ نظر سے قطب مشتری ہو یا "گلشن عشق" غواصی کی "سیف الملوک و بدیع الجمال" "میناستوستی" اور "طوطی نامہ" کے مقابلے میں بے رنگ معلوم ہوتی ہیں۔

غواصی ایک باکمال غزلگو اور بلند پایہ مثنوی نگار شاعر ہی نہیں، ایک کامیاب قصیدہ نگار بھی تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نصرتی کے بعد غواصی دکنی اسکول کا سب سے بڑا قصیدہ گو ہے۔ جہاں تک قصائد کی تعداد، تنوع اور دکنی روایات کی پابندی کا تعلق ہے غواصی کو ہی فوقیت حاصل ہے۔

غواصی جو ہراں جو تی تو لئی دھرتا جنوں میں آ
کہاں دو جوہری پارک جو پرکھے جو ہراں میرے

اِنتخابِ کلام

غزلیں

ردیف الف

پلا مد مست اے ساقی کہ منج عادت ہے پینے کا
ہوس خوش، دورِ یکدھر تجھے کروں گا رنگ سینے کا

مرا جیو پیو ہے اس جیو کے جیوں کوں بسروں کیوں
کدھیں بسروں تو مر جاؤں نپاوں ذوق جینے کا

بچن میری زباں کے آج تارے ہو نہ کیوں جھمکیں
کہ ہے یو چرخ زنگاری ورق میرے سفینے کا

پدک ہے عین میرا نظم چندر سور کے گل کا
جڑت ہے عین میرا شعر خوباں کے زرینے کا

زمانے آج کے میں وو نگینہ بے بدل ہوں جو
سلیماں باج کوئی قیمت نہ دیوے منج نگینے کا

جکوئی عارف کے صاحب سچے ہیں سو کہتے ہیں یوں
کہ یاں تو کوئی دستا نہیں غواصی کے قرینے کا

توں اچھوں کونلی ہے بالی سرو جیوں تیرا ہے بالا
گال تیرے اس پہ دستے عین جیوں اچھے گلا لا
چاند کے چوندھیر حلقا چھانو تیری زلف کا ہے
لوگ آبو جک نہ سمج اس کا رکھیں ہیں نا نو ہالا
لطف تیرا منج بھر وسا لے نہایت دے رکھیا ہے
عشق تیرا منج پہ سوائے موہنی بایا ہے جالا
آج اس رنگا رنگی عشرت بھری مجلس کے میانے
ہے ہوس منج دل منے تج ہات کا پینا کہہ پیالا
صد ہزاراں شکر جو غواصؔ کی انکھیاں کو تازا
ہر گھڑی دیوے صفا لے مثل یو تیرا جمالا[1]
کلی سا کھول لبدا منج کنا اے پھول کی ڈالا
پرم کے باغ کا لالا ہے یا تج ہات میں پیالا
بھنور کر جیو کوں میرے ادک لبدا ئیا تیرا
کمل مکہ ہور نین نرگس رنگیلا گال گل لالا
اگر ہور برمی عنبر چندن ہور عود لو بھانی
یہ سب تج آنگ کی باسوں تھے پرل پاے ہیں آلا

---

[1] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد

تری ناسک پہ تجھے قربان ہوتا ہر گھڑی چنپا
ترے بالاں پہ تجھے قربان جاتا ہر گھڑی بالا
چمن کے جھاڑ سب خوش ہو سگل پھولاں منے تیرا
سہیلا گاوتے پاتاں کے ہاتاں سوں بجا تالا
کسی کے چھند ہور چالے پہ ہرگز ریجھنا نیں ہو
غواصی کوں لے ریجھایا آج تیرا چھند ہور چالا[1]

پیا بن پیالا پیا جائے نا — پیا باج یک تل جیا جائے نا
کہیا تھا جو پیو بن صبوری کروں — کہیا جاے اَما کیا جائے نا
یکس دل بھیتر بیس کرکے بغیر — یکا یک اسے دیکھیا جائے نا
چھپا درد دل کا دردمند کوں باج — سینا چیر دکھلائیا جائے نا
محبت نپٹ زور بکرڑے بغیر — بلا عشق کی سر لیا جائے نا
نہیں عشق جس دو بڑا بھشٹ ہے — کدھیں اس سوں مل بیسیا جائے نا
غواصی نہ دے منج دیوانے کوں پند
دیوانے کوں پند کچ دیا جائے نا[2]

گفتم کہ اے پری توں ہے فتنۂ زمانا
گفتا کہ راست گفتی اے گن بھرے سیانا
گفتم کہ در جہاں یا لیلیٰ ہو آئی ہے توں
گفتا کہ من چو مجنوں پائی ہوں تج دیوانہ

---

[1]، [2] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد

گفتم کہ خال و زلفت کیا ہے سو بول منجکوں
گفتا کہ زلف دام است ہور خال سو ہے دانا
گفتم کہ در ہوایت پھرتا ہوں ذرّہ ہو ہیں
گفتا کہ ذرہ پرور سورج ہوں میں توانا
گفتم کہ خانہ توں کاں ہے نشان دے منج
گفتا کہ در دل تو کی ہوں ازل تھے خانا
گفتم کہ کیست اینجا تیرا پران پیارا
گفتا کہ اے غواصی ہے توں مرا پرانا[1]

کہیا میں اے پری کہ کیا ہے ترا زلا گالا
کہی وو حسن خوبی کے جہاں کا سور ہے آلا
کہیا میں کیا سبب کالا ہوا ہے زلف تیرا یوں
کہی یو دھوپ میں پھر پھر ہوا ہے اس وضع کالا
کہیا میں ہانس جو تیری گلے میں ہے سو کیا ہے کہ
کہی نہس ہانس نوی ہے دو بنم کی چاند کا ہالا
کہیا میں کون ہوں تو کون ہے سو بولنا منج کوں
کہی معشوق میں تیری ہوں توں میرا پرت والا
کہیا میں عشق تیرا کیا ہے کہنا کھول کر منج کوں
کہی غواصیا عاشق کوں میرا عشق ہے جالا[2]

۱، ۲ دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد۔

نس جاگ اپنے سائیں سوں جیکوئی سحر خیزی کیا
مطلب دنیا ہور دین کا باذوق پرویزی کیا
جیوں پھول کا بن بھر گیا دامن گریباں لگ مرا
لب لال پیرے لال کا ہنستا جو گل ریزی کیا
ماتا ہو مدپی وصل کا دیدے لگا دیدار سوں
دو جگ تھے بے پروا اپس جیوں شمس تبریزی کیا
گر ناز نوخیزاں پہ میں اے دل کروں تو کیا عجب
پیو کا محبت منج عطا پیری میں نوخیزی کیا
آ عشق میری عقل پر ہنسنے لگیا یکبارگی
جو میں تخلص آپنا زاہد ہو پرہیزی کیا
حیدر رجہ میرا پیر ہے کر سرفرازی کی نظر
ہو آپ تیزی سار منج غواص کوں تیزی کیا

ہیں جو مجنوں کے نمن ایسیں بیابانی کیا
عشق میں دانا ہو جیپ لوگاں میں نادانی کیا
ہر سندو وہات چڑناکر منجے اس واسطے
میں کلیجے کوں لہو ہور لہو کے تیں پانی کیا
راز منج دل کے درونے کا نہو سے فاش کیں
بہوت دن دل کے حرم کے در کی دربانی کیا
عشق کا پنکھی ہما منج پر سٹیا دیکھ چھانو آ
ہاڑ تن کے جھاڑ اس یک رنگ مہمانی کیا

طوطیاں سب ہند کے رغبت کریں تبیوں آج خوش
شکرستاں ہو غواصی شکر افشانی کیا

عاشق کوں اس ہوا میں صد رنگ لال ہونا
معشوق خوب عالی صاحب جمال ہونا
کاں ہے دوگانہارا اس گاو کو خوشی سوں
منج حالتی کوں سر تھے اس وقت حال ہونا
لئی دیس تھے فراقی دھنڈتے وصال یارب
آج اس فراقیاں کوں بیگی وصال ہونا
باطن کے جوہراں لیا اس پر اچھال سٹنے
دریا کی موج ویسی من میں اُبال ہونا
غوّاص کی دعا جم یہی ہے جو ہر سند سوں
معشوق کی طرف تھے عاشق نہال ہونا

عشق کی اگ میں جل کے راک ہونا　　عشق بازی میں چاک چاک ہونا
اس برے نفس کے کہے میں پھیر　　چکے ناچیز کی ہلاک ہونا
خاک ہونا تو سچ ہے آخر کوں　　خاک نہ ہوے لگیچ خاک ہونا
اس سجن کے وصال کی خاطر　　آرزو دل میں لاک لاک ہونا
ہے غواصی یو عاشقانہ غزل
یو غزل سیتی درد ناک ہونا

جیواں کے بنکھیاں کے بدل تیرا الک جالا ہوا
سو کا سو بھالا ہور بلا تج نین کا چالا ہوا
دو مکھ وو جوبن ہور وو بالا عجب دستا ہے منج
ویسا نہ کیں پھل پھول ہور ویسا نہ کیں ڈالا ہوا
بے مثل تیرے گال ہور نادر ترے اس خال تھے
اسلام اجالا پا گیا ہور کفر سو کالا ہوا
ہے بے بہا در توں سچی غواصؔ کیوں بسرے تجے
جب یاد سو تیرا اسے دن رات جپ مالا ہوا

بڑا حیف جو پیاں وو مت نا ہوا
مرے من گگن کا اجت نا ہوا
جنم کھو گیا اجنوں اس حد تلک
پرت کا منجے فام رت نا ہوا
کہاں تھے سنیا دل کے باتاں کو پیا
یو دل کرتے منج پر سوات نا ہوا
دو فتنے بھریا سو ہے فتنا عجب
اسی تھے بتا جگ میں فت نا ہوا
غواصی پہ کرتا ادکھ رحم آج
بڑا حیف جو پیاں وو مت نا ہوا

منج پیار کر سہیلی تیرا ثواب ہو گا
ہم دین ہم دنیا میں لئی تجکوں لاب ہو گا
ہے موہنی توں من کی نیں کچ حجاب اس میں
سمجھے وہیچ تجکوں جن بے حجاب ہو گا
نیناں سو عاشقاں کے لے بیحساب جیواں
کوئی پوچھے نہ تجکو جس دن حساب ہو گا
منج تاب لیا وکر توں کہا ہے کہیں سینا ہوں
تج تھے بچھڑنے کا کاں منج میں تاب ہو گا
غواص اپے ہو عاشق کہوا گیا ہے تیرا
البتہ تج طرف تھے وو کامیاب ہو گا

منج نہ سدا اپنے حال کا ہے پیا چت منجے تج خیال کا ہے پیا
ذوق ہے منج کہ ہر گھڑی دل میں شوق تیرے وصال کا ہے پیا
عشق بازاں میں قرب آج منجے تج محبت کے مال کا ہے پیا
یو ر منج لو چناں میں جیوں سمدور نور تیرے جمال کا ہے پیا
دیکھ غواص تج مثال کہ وڈ
آرسل تج مثال کا ہے پیا

عشق میں جاناں کے ثابت اچھ تو اے جاں غم نہ کھا
عہد و پیماں رکھ درست اپنا یہاں ہاں غم نہ کھا
درد منداں کا سو درماں عین اس کا لطف ہے
ہوے گا یکبارگی مشکل سب آساں غم نہ کھا
رات اندھاری ہوے کہ ہرگز پشیمانی نہ کھینچ
دن بی آوے گا نکل روشن ہو تاباں غم نہ کھا
یو دنیا دو دیس ہے میہماں اسے کچ ٹھیر نیں
دل نہ باند اس سات توں خوشحال رہیاں غم نہ کھا
رنج و غم آے ہیں مل دونوں ازل کے روز تھے
جیوں گھڑیاں تیوں سوس عارف ہے تو چنداں غم نہ کھا
بولتا ہوں کھول ہیں یو فال گیٹھڑی باندلے
ہے تجے جمعیت آخر اے پریشاں غم نہ کھا
خار خارا اپنے سینے کا دور کر یکہ ہیر تھے
دکھ اپس کوں ہر سند جیوں پھول خنداں غم نہ کھا

مدعا بر لیا نہارا سو خدا ہے ڈر نکو

غم تجھے اکثر لکھا اپر پڑتیاں ہیں چھایاں غم نہ کھا
لا ابالی اچھ سدا ہور ذوق کر غوّاصیا
ہے ترے سر پر قوی بارا اماماں غم نہ کھا

جدھاں تھے نن کے چشمے میں جیا جل دھار ہو آیا
تدھاں تھے عشق منج دل کے برک کا بار ہو آیا
رموزاں عین باطن کے خلاصی کیاں وہی سیجے
جن اپنے بخت تھے منج سار برخوردار ہو آیا
مسلّم مست ہوں منج کوئی نہ پوچھو عقل کے باتاں
اسے پوچھو یو باتاں جا جنے ہشیار ہو آیا
دوانا ماہ رویاں کا نہیں کچ آجکل تھے ہوں
ازل کے دیس تھے یوفن منجے درکار ہو آیا
غواصی صاف باتاں سوں سراسر یو غزل تیرا
امولک ڈھال موتیاں کا نچھل اشبار ہو آیا

جو بات میں تیرے زلفاں کی دل سوں رات کہیا
جنوں سر اس کے چڑیا کاں تھے میں یو بات کہیا
ملک ہو شاد دیئے خضر کا خطاب منجے
ترے ادھر کوں جو میں چشمۂ حیات کہیا

چھپا ابھال منے جا کے آفتاب جو دیں
ترے جمال کوں خورشید کائنات کہیا
فلک چراغ کیا روشن اختراں کے تمام
جو ہیں الک کوں تری جیوں شب برات کہیا
جو ہیں غواص مٹھی یو غزل کہیا سو ہن
فدا ہوں میں تیری باتاں پر انہ نبات کہیا
علم مجنوں نمن جن عشق بازاں میں اچا سے نا
وو ہرگز عشق کے عالم تھے ذرا ذوق پاسے نا
منگے گر توں سرافرازی تو راضی ہو بجاں بازی
کہ غیر از یوں مہم سازی تج اے عاشق سہاسے نا
قدم کر آپنا سر توں گذر معشوق کی دھر توں
کہ یو کچ مفت میں پھر توں وو تیرے کیے میں آسے نا
بہرم مدسات مانا ہو یو باتاں عاشقی کے دو
کہیا جو ہے غواصی سو لغر عاشق کوں بھاسے نا [۱]

ردیف ب

کاں ہے وو قدرت جو دیکھے تج کدھن گھور آفتاب
گرچہ اپنے حسن میں ہے آج مغرور آفتاب
روپ تج اپروپ دے پیدا کیا ہے کرخدا
پائیا جانو خبر تو جا دھیا دور آفتاب

---

[۱] کلیاتِ غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد

گرم تیرے حسن کا بازار ایسا ہے جو آج
اس انگے دستا ہے منج جیوں سرد کا فور آفتاب
سچ کہو تج گل منے یا جو ہراں کا ہے پدک
یا نکل پڑ آسماں پر تھے ہوا چور آفتاب
عاشقِ جانباز غواص اے سکی تج عشق منیں
یوں ہوا مشہور جگ میں جیوں ہے مشہور آفتاب[1]

اے پری پیکر ترا مکھ آفتاب دیکھتا ہوں تو رہے نہ منج ہیں تاب
باؤ ایسا پیچ کھاتا ہے اجھوں دیکھ تیری زلف کا دو پیچ و تاب
قند ہور نابات گلتا ہے اجھوں دے نہ سک تیرے مٹھے لب کا جواب
دل کی انکھیاں سوں نجھا غواص تج
خوبرویاں میں کیا ہے انتخاب[2]
گر خدا بینی پہ ہے تیرا نظر اے کامیاب
تو خودی کا ورد کر اول توں ہیا نے تھے حجاب
سر تھے پگ لگ آنکھ ہور کھنا بھلا حق پر نظر
دل سوں سب تن کان ہو سننا بھلا ام الکتاب
رات کوں دیکھے تو دستا رات کا مہتاب وے
دیس کوں دیکھے تو دستا دیس کا وے آفتاب

---

[1]، [2] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد۔

دیکھتا ہوں تو اسی کے عشق کے مضراب تھے
بولتے توں توں لگر جنتر تنبورے ہور رباب
آب ہو دریا سوں ملجا تج میں گر ہے اتحاد
فی الحقیقت توں اسی دریا منے کا ہے حباب
راز کیاں باتاں اگر منگتا ہے توں سچ پوچھنے
پوچ آ غواص تجھے ہے شاعر حاضر جواب[1]

ہوے لئی دیس اس تھے بھاتک بیگ اس منج ملا یارب
پڑیاں ہوں میں بگٹ نرجیو ہو منج جیو دے جلا یارب
حرارت منج میں بے تابی کی لئی ہے ٹک ٹھنڈک ہوے تیوں
گلاب اس کے ادھر کے پھول پنکھڑی کا پلا یارب
چمن میں من کے بار آیاں ہیں کلیاں شوق کیاں اکثر
پون سوں وصل کے اس کے چمن من کا کھلا یارب
نہ جانوں کیا گنہ میرا جو منج کوں یاد کرتے نئیں
مگر بسرے ہیں جانوں منج وو یاد اس توں دلا یارب
نہ آوے نیند ہمسایاں کوں میرے چلانے تھے
گلا یو آہ بھرنے تھے ہوا ہے چلچلا یارب
غواصی ہو کدھاں لگ بیں اچھوں دکھ سوں ستا اجنوں
ہوے لئی دیس اس تھے بھاتک بیگ اس منج ملا یارب

---

[1] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد

ردیف ت، ٹ

چندنی کی کسوت کر جو دھن گھر میں تھے نکل بہار رات
اسمان دیکھو حیران تھا تاریاں سوں چاردوں پار رات

مستک تھے ڈھل لٹ لٹپٹی جو کان کن چل آئی تھی
گویا کہتی تھی چاند سوں کچ غیب کے اسرار رات

کیا سحر تھا سمجیا نہ میں جیب کھول لبداہنس پڑی
دکھلائے یک تل منیں کھلا لک پھول کو گلزار رات

کالی پٹیاں میں پھول بھر جیب سوں گندی سو یوں دسی
تاریاں کی مہمانی مگر کرنے تھے تارے تار رات

گنبھیر بدمن سندری چھندوں بھری اس دھات کی
دیکھیا نہ روشن دلیس کیں پائی نہ جھنکہار رات[۱]

تیرے جمال سات نہ پہنچا ملا سکے
دھرتا ہے آفتاب اگرچہ ہزار ہات

پانی میں چھپ رہیا نہ نکل لاج تھے کمل
نازوک نرم دیکھ ترے دو بہنوار ہات

نکلے تو سیر کرنے چمن میں تو خم ہو سرو
دوڑاے تیرے پاووں پہ بے اختیار ہات

غواص عاشقاں میں کرے کیوں نہ ناز آج
تج سار کا چڑیا ہے در شاہوار ہات[۲]

---

[۱]، [۲] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد

دلکوں تری پرت سوں لگیا دکہ مدام بحث
کرتے ہیں تن پہ جیب ہوروں روں تمام بحث

تج مکھ پہ زلف بادسوں ہلتا سو یوں دِسے
جیوں صبح سات کرنے کوں آیا ہے شام بحث

آب حیات تجھے ہے زیادہ کہ لب ترا
کرتے ہیں منج سوں خضر علیہ السّلام بحث

اس عالماں کوں آج نجھا دیکھتا ہوں تو
پختے نہیں ہیں کام میں کرتے ہیں خام بحث

خلوت میں دل کے عالم بالا کے عارفاں
کرتے ہیں منج غواص ستی آ مدام بحث[۱]

جیوں ترے موں تھے سنیاں اے شوخ شکرلب حدیث
دیں کلیاں گم ہوگیاں موں میچ سٹ دے سب حدیث

زلف ہور مکھڑا ترا منج آنک تل دستا ہے یوں
جوں بسالی ناگ سوں کرتا ہے آ عقرب حدیث

کوئی تیری پاک صورت کے برابر نئیں کہ آج
چاند کرتا ہے ستاریاں سات مل ہر شب حدیث

عشق کے سمدور کا غوّاص ہو آج اے نگار
تج زباں تھے سننے کا دھرتا ہوں میں مطلب حدیث[۲]

---

۱ و ۲ دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد۔

کام مرداں کے نکو جان تو اے خام عبث
کہ جکوئی مرد ہیں کرتے نہیں وو کام عبث
ہوش کا گوش نہیں تیز جسے سننے کوں
غیب کے اس کے لکھیں دستے ہیں الہام عبث
مرگ اسے خوب لگے جیو تھے سو جاگا
جس پیا باج گزرتا اچھے ہنگام عبث
دیکھ ہر شے کوں توں عرفان کی انکھیاں سوں جھا
کہ کسی کا نہیں آغاز ہور انجام عبث
عشق کے فن منے ماہر توں ہوئے باج غواص
عشق بازاں میں نہ کر آپسیں بدنام عبث ؎۱

جدھاں لگ تج گھنگرالی لٹاں کوں شانہ ہے باعث
تدھاں لگ بیقراری بر یو دلِ دیوانہ ہے باعث
رقیباں رشک گر کھاویں تو منج عاشق کوں ڈر کیا ہے
کہ دائم لطف تیرا منج کوں اے جانانہ ہے باعث
جکوئی عاشق نہیں تیرا یقیں جان دو جگ میں
نہ کوئی عاقل ہے اس حامی نہ کوئی فرزانہ ہے باعث
غواصی کوں رجھا کر محو کرنے آج اے چنچل
ہزاراں چھند سوں تیرا نین مستانہ ہے باعث ؎۲

؎۱ ممکن دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد۔

ردیف ج

سجن دلبری کا تجھے راج آج   کہ ہے دلبراں میں سو توں راج آج
ادھر کھول اتر باٹ میں منج سوں   کہ ہو تیج تیرا ہوں محتاج آج
غواصی کے دل کا خیال اے چنچل
بو جنہار نیں کوئی تج باج آج

کیا کریں گے کہ تیرے نین منجے   سیدھے ہوتے ہیں منج پہ دھن دھن آج
ہر طرف تجکوں دیک یکس پر ایک   پڑتے ہیں بے سدھ ہو کے دس دس آج
تل اپر کرتے جگ کوں یکدھر تے   ایک چالا ترا سو بس بس آج
یو لطیفا ترا سنیں گے اگر
پیٹ پکڑیں گے پھول ہنس ہنس آج [1]

ردیف ح

اے نار تیرے نور تھے ہے انجمن کوں آج فرح
نازوک تیرے قد تھے ہے سنگار بن کوں آج فرح
ملک دکھن میں حور تھے نادر ہو توں پہنچی ہے کر
ہے بے نہایت اے سکی ملک دکھن کوں آج فرح
تج مشک نافہ سار کے زلفاں کی اعلیٰ باس تھے
ہے لاک راحت روح کوں ہے لاک فن کوں آج فرح

---

[1] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد۔

غواص خوش کرتا ہے اد کہ تعریف تیرے ہونٹ کا
حاصل ہوا ہے طوطی شکر شکن کوں آج فرح

تیرا جمال دیکھنے اکثر علی الصباح آتا ہے آفتاب نکل ہر علی الصباح
خوباں میں ہے توں شاہ کہ تیرے سلام کوں عشاق کا جما ہووے لشکر علی الصباح
پھولان ترے دہن کے گلے دیکھ شرم تھے شبنم میں ڈوبتے ہیں جیوں اختر علی الصباح
غواص آنک کھول ترا وو جمال دیک
صلوات بھیجتا ہے نبی پر علی الصباح

ردیف د، ذ

جس گھڑی ہوئے سجن سات منجے دید پہ دید
اس گھڑی ذوق اپر ذوق ہے ہور عید پہ عید
میں ہوں عاشق بغیر از عشق منجے ہور نہ بھائے
عشق ہے تیرے لکھیں پیر میں اس کا ہوں مرید
ہر نفس یاد منے اپنے سجن کے ہے جکوئی
بخت اس کے ہیں بھلے دولت اسکا ہے سعید
منج غواصی کوں توں باطن میں نہ دیکھ اس تھے جدا
شاہ رگ منجے ہے نزدیک اگرچہ ہے بعید

ترا وو زلف جو ہے عین حال کا تعویذ ہے آفتاب سے موں کے جمال کا تعویذ
صریح چھانو تج ابروچ کا ہے کر توں جان گگن کے جو ہے گلے میں ہلال کا تعویذ

ترے نین میں جو گھلتا ہے ناز سوں کاجل سو ہے یقین وو سحر حلال کا تعویذ

ہزار شوق سوں کرتا ہے ذوق غواصی
گلے کوں باندلے تیرے وصال کا تعویذ

ردیف ر، ز، ڑ

دل مرا تیرے ہات سنپڑ کر
سُد سٹیا ہے تمام گڑ بڑ کر

پیار کر منج کہ تیرے عشقوں تھے
بھوت دُبلا ہوا ہوں اڑ اڑ کر

یاد کرتا ہوں تج تو لاک انجھو
پڑتے ہیں منج نین تھے جھڑ جھڑ کر

تج لٹاں کے ہر ایک پیچ میں آج
لک بلایاں رھیاں ہیں ڈر ڈر کر

چور زخماں منے ہوا ہے غواص
تج نین راوتاں سوں لڑ لڑ کر

پیاسا ہوں عشق کا میں کسی نہ کہہ سوں پیا پیا کر
دیا سو دل سائیں کوں دیا میں نہ بول ہوں کس دیا دیا کر

گھڑی گھڑی کوں مری زباں تھے نکل پیا کا یچ ناؤں آتا
کہ منج زباں کوں قدیم عادت ہے بولنے کا پیا پیا کر

سجن کی دولت تھے میں جیا کر جتے کہوں گا تو کیا عجب ہے
جنوں کی دولت تھے میں جیا ہوں سو کیوں کوں جیا جیا کر

بندا تو کچ کام نیں کیا ہوں ولے یو کس فیض ہے نہ جانوں
جو خلق کہتا ہے منج کہ کر تو کام اپنا کیا کیا کر

بلند آواز سوں ملایک یو نانو میرا لے پکارتے ہیں
زباں کی شمشیر سوں غواصی ملک بچن کا لیا لیا کر

دیدار ترا صبح سعادت تھے صفادار
ہور زلف شب قدر کی ہے شب تھے عجب تر
نابات کے تو جب ہیں مٹھے سب تھے ولیکن
باتاں ترے نابات کی ہیں جب تھے عجب تر
دنیا میں تو لئی جنس کے مذاہب ہیں ولیکن
مذہب نہیں تج عشق کے مذہب تھے عجب تر
اس دور کے ناریاں میں توں اے ناز بھری آج
غواص کی انکھیاں میں دسے سب تھے عجب تر

بیدار تج بدل ہے جکوئی ترک خواب کر
دیدار دے توں آج اسے کامیاب کر
چھوڑوں نہ تج کدھیں کوں توں چھوڑ تو کیا ہوا
پکڑیاں ہوں کھینچ سب میں تجے انتخاب کر
باتاں تریاں سولک لے بدل یادگار کے
سینے میں جلد باندھ رکھیا ہوں کتاب کر
ذرہ ہوں میں ترا توں مرا آفتاب ہے
اپنے ذرے کوں مہر توں اے آفتاب کر

غواص کوں کیا ہے ترا زلف مضطرب
وو زلف اس کے ہات دے دور اضطراب کر

غم منج سینے تھے بھار نکلتا نہیں ہنوز
پاپی یو برہ سیس تھے ٹلتا نہیں ہنوز
ازما کے دل کوں سائیں کے جو دیکتا ہوں تو
پولاد تھے ہے سخت پگلتا نہیں ہنوز
گل فکر تھے ہوا ہے کلیجا لہو ولے
انکھیاں کی باٹ نیر ہو ڈھلتا نہیں ہنوز
اے جیو کتا دیوانگی سریوے گا اجھوں
کی عقل کے کہے ہیں توں چلتا نہیں ہنوز
دستا ہے دیس رات ہو میرے لکھیں تمام
اے آفتاب کی توں نکلتا نہیں ہنوز
غواصیا ہے آج تیرا دقت کیا سبب
دریا سو ذوق کا توں اُبلتا نہیں ہنوز

پیو باج انکھیاں کوں آئے نہ خواب ہرگز
بے تاب ہوں نہیں کچ منج تن میں تاب ہرگز
تارا ہوں میں صبا لگ مشتاق دید لیکن
پھر منج کدھیں نہ دیکھیا وو ماہتاب ہرگز

جیوں ہیں کباب جل جل برہ اگ سوں ہوا ہوں
ہو سے نہ کوئی عاشق جل یوں کباب ہرگز
کاڑی ہوا ہوں سکھ سکھ کاڑی ہیں ہور منج میں
بن عشق کر نہ سک سے کوئی انتخاب ہرگز
غواص ہر کیا تھا پیو کوں سوال کچ ہیں
اما اجھوں نہ پایا اس کا جواب ہرگز

گرم منج آہ کیاں ہوایاں پڑ　سو رجلتا ہے گھن پہ زایاں پڑ
دل ہیں یک بات ہے کسے نہ کہوں　کہ پھٹے کی وو بات واں یاں پڑ
دل کی دیوانگی نہیں جاتی　پھونکتا ہوں جتا دعایاں پڑ
اس دتھے پیو کوں کوئی نہ جانے نیوں　جا منا تا ہے جیو پایاں پڑ
سو نپیدا کئے ہیں غواصی
یو غزل آج آشنایاں پڑ

ردیف س، ش

جب تھے لگیا ہے خوش منجے تج نار کا ہوس
گذرے نہ تب تھے خیال ہیں سینار کا ہوس
دنیا ہیں ہر ایکس کوں ہے یک یک ہوس ولے
عاشق کوں نیں بغیر ترے دیدار کا ہوس
انجواں کے موتیاں ہیں ڈبیا ہوں تمام میں
محبوب جن ہے ہے اسے سنگار کا ہوس

غواصیا نفیس ترے جوہراں پہ تھے
کیوں نا ہوے زیاد خریدار کا ہوس

خوشی کا سمدا بلیا دیکھ شہ کے انگ ہور سنگ تھے
چندن سرخوش ہے تن سرخوش پنچن سرخوش بچن سرخوش
چنچل چالے بھری لوچن کھلاوے جب تو ہووے تب
کھنجن سرخوش ہرن سرخوش رنجن سرخوش برن سرخوش
سرو کی ڈال سے قد ہور گلابی گال تھے دھن کے
پون سرخوش ہے بن سرخوش چمن سرخوش سمن سرخوش
نول قطب جہاں کی سرخوشی پر تھے ہوا پورا
دکھن سرخوش وجہن سرخوشی یمن سرخوش ختن سرخوش[1]

ردیف ص، ض

اگر اس شمع کا منگتا ہے توں وصل تو جلنا سکہ پتنگ کے سار غواص
نہ کہوا عاشق اس کے زلف کا توں گلے باندے بغیر زنار غواص
ترا میدان ہے یو وقت جیوں باگ نکل تن کی گوئی تھے بھار غواص
حضوری دھنڈتا ہے توں تو جا بیس پکڑ محبوب کا دربار غواص
کیتاں کوں دل دویگا یار ہوا آج
نجے یک دل ہے بس یک بار غواص[2]

---

[1]، [2] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد۔

عاشق ہے جن تج لال کا اس مال دھن سوں کیا غرض
ہے کام جس کوں روح سوں اس کوں بدن سوں کیا غرض

یوسف کوں اپنے بھار جن نیں کاڑ سکتا بایئں تھے
مقصود کیا ہے ڈول سوں ہور اس رسن سوں کیا غرض

تج مکہ بہارستان کے نادر تماشے کے انگے
صحرا سوں کیا نسبت ہے منج ہور بھو لبن سوں کیا غرض

تیرا جمال انسان کی تعریف تھے ہے بھار آج
جس کوں سنوارا یا ہے خدا اس ابرہن سوں کیا غرض

لاواں غواصی سار کا مٹ بول خاص اچھتے براں
اے شکرستاں جیو کے تج کوں زغن سوں کیا غرض

ردیف طؔ ظ

تج سات جو کیا ہوں میں اے دوستدار شرط
تحقیق جان توں کہ ہے وو برقرار شرط

منگتا ہے جن سچیاں میں سچا ہو کے سرا چاے
کیوں تج سوں جھوٹ سات کرے وو سنوار شرط

میں باغ توں بہار ہے اے یار کیا عجب
منج باغ سوں وفا کی کرے توں بہار شرط

یک شرط بی سچی نہ ہوسی گرچہ لیو فلک
منج سوں ہزار بار کیا تھا ہزار شرط

رحمت ہزار تج پہ غواصی جو یار سوں
جیوں بولیا توں وو نچ کیا اختیار شرط[1]

جکوئی خلوت نشیں ہے آج اسے بازار تھے کیا حظ
گلی میں یار کے رہنہار کوں گلزار تھے کیا حظ
پرم کے جام کا ماتا ہو جن سُد ذات کی چھوڑیا
اسے گھر دار تھے کیا ذوق ہور سنسار تھے کیا حظ

نہیں روشن دلاں کوں باج حظ دیدار کا ہرگز
جو کوئی اندھلا اچھے دل کا اسے دیدار تھے کیا حظ
لگا اس یار سوں دل توں جو اس تھے کچ نفا انپڑے
وفا کا باس نیں جس یار میں اس یار تھے کیا حظ

تری گفتار سوں رفتار اچھے نا موافق کچ
تو اہل حال کوں خالی تری گفتار تھے کیا حظ
غواصی کے نمن ہو توں قلندر آج اے عابد
بڑی اس ٹوکری ایسی تجے دستار تھے کیا حظ

ردیف ع، غ

جانباز عاشقاں میں پکڑوں نہ نام میں
تا سیس تھے مرے نہ ہوے ننگ و نام دفع

---

[1] دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد

انجواں کے جل سوں نین کے حمام گرم کر
اس تن کی ماندگی کوں کیا میں تمام دفع

دنیا کی طمع خام ہے کچھ فائدا نہیں
سچلا غواص ہے تو کراے طمع خام دفع

تیل لھو کا گھال میں جلتا ہوں کر سب تن چراغ
کیوں نہ ہوے پروانہ عاشق دیکھ یو روشن چراغ

عکس تج رخسار کا تحقیق ہے کر جان توں
لائے جو ہیں گھر گھر اپنے دوست ہور دشمن چراغ

یاد کر تج زلف کوں شبرات کرتے ہیں ملک
ہر رین تاریاں کی لیجا اسمان کے لوگھن چراغ

کو تلک مشتاق ہو دیدار کا تپتا اچھوں
آج پروانے کوں تیرے دے رضا دیکھن چراغ

کمہ ترا غواص کے دل کا کیا غم یوں بھنجن
رات کی ظلمات کوں کرتا ہے جیوں بھنجن چراغ

ردیف ف

آج تیرے حسن کا غوغا ہے بیبارے ہر طرف
تو دلاں پھرتے ہیں بادل ہو ہمارے ہر طرف

دھر تری اسماں ہوئی تو کیا عجب تج چاند کی
خوئے تھے جھڑتے ہیں بنداں جیوں ستارے ہر طرف

عاشقاں کے آج سینے چاک ہو تج عشق تھے
آہ کے بارے سوں اڑتے جیوں پھرارے ہر طرف

سن ہرن صحرا کے تیری آنکھ کی تعریف کوں
چھوڑ دے چارے ہوے بے سد بے چارے ہر طرف

سر تھے پاواں لگ لگی ہے تھرتھری آفاق کوں
دیکھ پلکاں کے ترے خونی کٹارے ہر طرف

میں کسے قدرت جو انیڑے داد کوں غواص کی
ظلم تھے تج نانہ کے جتنا پکارے ہر طرف

ردیف ل

سینا سکیا سکی تج ادھر نیر کے بدل
تدبیر کر توں کچ میری تدبیر کے بدل

کیسا پرت لگیا کی عطارد کوں اجنوبی
کھوتا ہے جنم تری تصویر کے بدل

بس ہے ہزار منج سے دیوانیاں کے تیراے شوخ
یک تار تری زلف تھے زنجیر کے بدل

تج عشق میں دیا ہے غواص آپنا جیا
میراں جیا کے پیر جہانگیر کے بدل

اسمان ہو نین میرے تج سور کے بدل
دیدے پسارتے ہیں ترے نور کے بدل

دِل کے مندھر کوں آج سنوار یا ہوں جیوں بہشت
لک چھب سوں تج لطیف اتم حور کے بدل

گلتا ہوں چاند نمنے اپس میں اپیچ ییں
تج دھن کے زلف کی شبِ دیجور کے بدل

سر دیونا پرت منے سب کا نہیں ہے کام
آیا ہے محض کام یو منصور کے بدل

غواصؔ ہو کہیا یو غزل موتیاں بھری
تج بے نظیر حسن کے سمدور کے بدل

ردیف م

ہے ترا زلف اے سمن اندام دام
دیکھتا تج کوں تو ہوتا رام رام

ناوں تیرے حسن کا سن اے صنم
گم گئے ہیں آج سب اصنام نام

مہر کرنے منج نہ کر تقصیر توں
اے پری رخ ہے ترا انعام عام

سر لیا شوریدگی بلبل گے سار
رخ ترا ہیں خوب اے گلفام نام

جیوں غواصی اج سدا شیریں مذاق
تلخ کرے توں نہ اے خود کام کام

ہمن عاشق دیوانیاں کوں چھبیلے کسوتاں کیا کام
ہمن دبلے فقیراں کو دنیا ہور دولتاں کیا کام

ہمن سر کو چیندڑی بس بلش بھر کی لنگوٹی بس
سکی کھانے کوں روٹی بس قبولیاں نعمتاں کیا کام

دنیا سوں کام نہیں ہمنا یہاں آرام نہیں ہمنا
ہمارا نام نہیں ہمنا کسی سوں حجتاں کیا کام

ہمے دائم جلن ہارے پیا بن تلملن ہارے
دکھاریاں سوں ملن ہارے ہمنکوں عشرتاں کیا کام

غواصی توں خبر پارے تماشا دیکھ دنیا کارے
اندیشں اپنا اندیشہ رے کسی سوں منتّاں کیا کام

ردیف ن

نہ آسی نیند منج آج ہیں ارین یا | کہ سلتی برہ کی کنکری نین میں
انجھو تتّے دکھت پلکاں تھے میری | ستارے تلملاتے ہیں گگن میں
یکایک آہ میرا سن سحر گاہ | اچاے بلبلاں سب شور بن میں

زمانے آج کے مجنوں ہوا پیدا
ہوا مشہور غوّاصی دکھن میں

عجب مستی ہے تیرے لب کے مدکوں | کہ انپڑیا ہے منج مستی کی حد کوں
یکیلا پاک تیرا عشق بس ہے | دیوانے مست منج ویسے فرد کوں
نجانوں ہے قلم کن خوش نویس آج | اتاریا ہے الف کر تیرے قد کوں
سمج کیوں من سکوں میں تج تیں لیا سو | سمج ہے سب اس اللہ الصمد کوں

عبیر آچھا گلالی کر لیا ہے
غواصی تیرے تلویاں کی گرد کوں

خلاف عاقلاں میں لئے کیا ہوں　　جکچ منج کوں نکو کرئے کیا ہوں
پون سوں ہم قدم ہم دم ہو اس میں　　زمیں جاں لگ ہے واں لگ طے کیا ہوں
دیا ہوں سیس اس کے باٹ میں ہیں
یو تھوڑا نیں غواصی لئے کیا ہوں

ہے منجے تج سوں بہوت راز اجھوں　　نت کروں گا تجے نیاز اجھوں
زلف دیکھیا ہوں خواب میں تیرا　　عمر ہوگا مرا دراز اجھوں
جیوں کیا ہیں نماز تج آنگے　　دوں کیا نیں ہے کوئی نماز اجھوں
جیوں غواصی ہوا ہے تیوں اے دھن
کوئی ہوا نیں ہے عشق باز اجھوں

آج منج دِل کوں کچ قرار نہیں　　کیا کروں میں نزک دو یار نہیں
واں لگ اے یاد جا توں قاصد ہو　　تج بغیر کوئی پالو سار نہیں
سب پیا کے ہیں حسن کے بیہوش　　شہر میں کوئی ہوشیار نہیں
حال مرنے ہوا ہے کیوں جیوں میں　　جیونا جگ میں دوئی بار نہیں
عشق کے جام تھے ہے مست جنے　　اس کی مستی کوں کیں اتار نہیں
جتے گنہ ہے سو منج تھے ہے غواص
برل دکھنے پیا یہ بھٹار نہیں

دل مرا کھیچتا ہے یار کدھن　　جاوں گا یار کے دیار کدھن
دل میں لئی لئی خیال لیا اس تیں　　مجنوں ہو میں پھروں ہزار کدھن
جینے کا ہیں سٹیا تدھا بج امید　　دیکھ اس کی پلک کٹار کدھن
کس کدھن میں نہو سوں اے غواص　　جیو ہے لگ بغیر یار کدھن

میں جے کہوں گا تو بی اب کچ دل منے توں لیانکو
ماتا ہوں تیرے عشق کا کرتا ہوں تج پر لاڑ میں
موسیٰ نمن پکڑیا ہے ہت تج دیکھنے کارن یو جیو
آنا تو اس جھلکار سوں جیوں طور کا ہوں پاڑ میں
جم اپنے اونچے خیال تھے نازوک دھاواں پاے کر
کہتا ہوں غزلاں رنگ بھریاں مضموں لوے لیا باڑ میں
غواؔصیا اس جگ کے نرمل پھل گلزار میں
باتاں کے پھولاں سوں بھریا سو ہوں رنگیلا جھاڑ میں

جدھاں تھے منج کوں غم اس کا لگیا تدھاں تھے وہیں
خوشی ملول ہو جا کر پڑی ہے کونے میں
دلاں کوں اپنے چھپایوں نیں تو کہاں کی دغا
کہ دل چرانے کی عادت ہے اس سلونے میں
زمانے آج کے کہتا خلق غواصی کوں
یو بے بدل ہے بچن موتیاں پرونے میں

ہوا تو آج عجب ہے سکی وہ یار کہاں
ملے ہیں سب ولے میرا وو دوستدار کہاں
شراب نقل پیالا یو سب تو حاضر ہیں
چتر سجان مرا وو شراب خوار کہاں

سکیاں تو منج کوں کہتیاں ہیں قرار پکڑ و کر
وے پیا کوں دیکھے بن منجے قرار کہاں
درد ہزار ہے منج یکزباں سوں کیوں کوں میں
بچاری یک زباں کا درد ہزار کہاں
میں اپنے من کوں صدق کر سکی ہوں لئی دن تھے
غواصیا دو میرا درشا ہوار کہاں

ہماری دو چنچل سجانا کہاں لگی چٹپٹی ٹھیر یانا کہاں
لمیا سوا سوں خوش زمانہ اتھا سو اب و وخوشی ہور زمانا کہاں
منجے اس تھے دل توڑ و کہتے وے اسوں توڑ دل بی لگانا کہاں
کہیا ہے غواصی غزل درد بھری
وے اس یکا یک سنانا کہاں
دنیا ہے رہگذر معشوق سوں خوش بیس پیالے پی
کہ ہوتا ہے کدورت دور پیالے دوئی پینے میں
رتن کوں عشق کے من میں جتن کرنے رتن ایسا
ادکھ یاد کھ ہو پرکھیا ہوں رتن لے اس خزینے میں
غواصی یو غزل کن جا سنایا ہے کہ دریا کوں
رکھے ہے موتیاں کر لے ہر یک بیت اپنے سینے میں

تج باج کوئی یاں منجے جان ہور جہان نیں
تج دیکھے لگ پران منے منج بران نئیں

چھایا اہے زمیں کے اپر بھر پہ بھر جو یوں
منج آہ کا دھواں اہے یو آسمان نئیں
گر جیو منگے تو تج کوں غواصی ہو دیوں گا
راضی ہوں میں یقین کچ اس میں گمان نئیں

جکوئی تج عشق کا مدپی متے ہو جھلنے ہارے ہیں
ہمیں عاشق انو کے ہور انوں عاشق ہمارے ہیں
ہوا پرگٹ جدھاں تے حسن تیرا ویں تدھاں تے بی
سورج بے سد چندر بے تاب ڈانوا ڈول تارے ہیں
جتنے ہیں عاشقاں تیرے وتے حاضر ہوئے ہیں آج
سکی منج سچ کہو اتنا تمیں تیرے کوں پیارے ہیں

توں یاں لگ بیگ آناکہ جو پڑتا تھا دعایاں کوں
دعایاں کی جو برکت تھے بچے لیا یا خدایاں کوں
جدھاں تھے تج سوں میں مل جایگانہ ہور بھادل سوں
تدھاں تھے میں یگانہ ہو سٹیا سب آشنایاں کوں
خبر تج ہے کی نیں کی ہیں تو آچھا گرد ہو باریک
دھیا ہوں لگ ترے زلف نچھل ات نرم پایاں کوں

اس زمانے میں ہور کچ ہوں میں نیں خبر منج دنیا کی ہیچ ہوں میں،
دھج دنیا میں بلا گیا نیں تو اپنی جاگا اہیچ رُت ہوں میں
ہر سند قادری ہوں غواصی
با بھلا یا برا جلیچ ہوں میں

اے دِل توں اپنا تو کہیا درد حبیب سوں
انتا یو حبیب کہہ سکے جا کس طبیب سوں

آننا نہیں کہے ہیں مرے روزگار اجھوں
گویا یو روزگار ملیا جا رقیب سوں

اے بادِ مہروان ہو اس پھول کی خبر
توں نا کہے تو کون کہے عندلیب سوں

غواصیا توں حال مرا انجواں تھے پوچ
منج موں کہاں جو کھول کہوں حال حبیب سوں

پیا بن کوئی دو جگ میں منجے دوسرا سنگاتی نئیں
جو دو دِن پیو تھے پھانکیا ہوں غم تھے نیند آتی نئیں

نجانو کو پلائے شہ منج اپنے ہات سوں پیالا
اجھوں اس ہات کی مستی مرے تن میں تھے جاتی نئیں

جگا جوتی رتن ہیں کر کتے ہیں لوگ عالم کے
ولیکن کیں سجن ایسا رتن بے مثل ذاتی نئیں

منجے لئی شوق ہے پیو کی زباں تھے بات سننے کا
اسی تھے بھی کسی کی بات میرے من کوں بھاتی نئیں

جو کوئی کچھ کئے تو کیا ہوتا غواصی وو خدا جانے
بجز پیو شاہ حیدر بن منجے دوسرا سنگاتی نئیں

یکیلا نیند کڑوی کر جو میں ہر رات پھرتا ہوں
بکھیر انجواں کے تاریاں کوں چندر کی دھقا پھرتا ہوں

گھڑی کوں دل گھڑی کوں جیو لیو دونوں کھینچتے دودھر
قرار یکتل نہیں منگکوں کہ ہائے ہات پھرتا ہوں
مبادا بات کیں میرے پرت کی پھٹ پڑے گی کر
گنگا ہو حبیب کوں گردان سٹ دے بات پھرتا ہوں
غواصی منج دوانے کوں نہیں ذرہ خبر کچ یو
جو کاں گمتا ہوں کاں اچتا ہوں کس سنگات پھرتا ہوں

گرچہ مسکین ہور مفلس ہوں ہیں   عاشقاں میں صاحب مجلس ہوں ہیں
طبع میں ازمائے کر دیکھو منجے   دوست کوں امرت دندے کوں بس ہوں ہیا
ہم درد منداں کے جیواں کا رفیق   ہم دیوانیاں کا سدا مونس ہوں ہیں
کیمیا ہوں آپنے باطن میں سب   ظاہرا دسنے میں گرچہ مس ہوں ہیں
عشق کے گلشن کے پھولاں میں تمام   جوت دنتانین جیوں نرگس ہوں ہیں
فقر میں کرتا ہوں شاہی اے غواص
تو نکو یوں جان جو مفلس ہوں ہیں

سجن کی گلی میں جو میں گھر کیا ہوں   اندیشں عاقبت فکر بہتر کیا ہوں
منجے دیو زنار اس کی زلف کا   کہ میں عشق کا ابیں کافر کیا ہوں
خبر کوئی جا دیو اس جوہری کوں   کہ باتاں کو بے مثل جوہر کیا ہوں
لبرنا کر آفاق ہر ایک طرف تھے   جما شعر کا بھوت دفتر کیا ہوں
کدھیں بر کوں ادلوے کر بحر کریں
کدھیں آہ سوں بحر کوں بر کیا ہوں

جنتر کر تن کوں ساجے سو ہمی ہیں
دلاں کوں مست باجے سو ہمی ہیں
شہاں ہر وقت کے راجے تو ہیں ساچ
صبا بارے کے راجے سو ہمی ہیں
گگن کے خوش ہوا کے ڈونگراں کے
اتم گنبھیر خواجے سو ہمی ہیں
خلق میں کھول کہنے درد اپنا
غواصی سخت لاجے سو ہمی ہیں

جس گھڑی میں جو تجے یاد میں اسے بھان کروں
دل کے دیدیاں کوں ترے حسن سوں حیران کروں
جیو کافر ہو پھرایا ہے ترے دین تھے موں
دل میں یوں ہے جو اسے آج مسلمان کروں
اے صنم منج توں حقارت سے نکو دیکھ کہ میں
ہوں وہ چیونٹی جو سلیمان کوں مہمان کروں
منج ترا برہ ہو نمرود جب آتش میں سٹے
تب خلیل ہو میں اس آتش کوں گلستاں کروں

آیا نہ ہاتھ اجھوں وہ برس آہ کیا کروں
سینے میں رہ گیا یو ہوس آہ کیا کروں
اس پیو کے فراق منے آج منج لکھیں
یک دن ہوا ہے ایک برس آہ کیا کروں

میں رہ گیا پیچھے گئے وو رواں نکل

دل کی چبھی ہے یا دں کوں وھس آہ کیا کروں
اِس لے بدل رتن کے بدل غواص اجھوں

تپس ہو گھالتا ہوں تپس آہ کیا کروں
یں عشق کے بازار میں راکھیا جو قدم کوں

شادی کے درم دے کے لیا ذوق سوں غم کوں
مستی ابل آئی ہے اچاوے تو عجب کیا

منصور ہو دِل آج انا الحق کے علم کوں
یوں جان جو ستمے ستم اپس پہ کیا وو

سمجیا نہ کرم کر جنے سائیں کے ستم کوں
غوّاص تیرا شعر مسیحا ہو سجیں آج

کاغذ کوں جلا جیو دیا پھیر قلم کوں
آرام نیں ہے ہنج کوں بغیر یار کیا کروں

دِل ٹھار تا نیں ہے کسی ٹھار کیا کروں
بہتا ہے منج پہ باؤ تو بر ہا کھڑے کھڑے

سینے میں سلگتا ہے جیوں انگار کیا کروں
سینہار کا سواد میسر ہے یار سوں

نزدیک یار نیں تو یو سینہار کیا کروں
اس آفتاب باج مری انکھیاں تلیں

دستا ہے دیس آج شب تار کیا کروں

دھن کے چنچل نین کے سو کے سو جیوں گڑے ہیں
پتلیاں خوش اس کڑیاں پر جیوں ڈوں بڑاں جڑے ہیں

تاراں جو اس کی لٹ کے دستے ہیں جیوں سینولے
عاشق کوں باج وو کس دسرے کو نہیں لڑے ہیں

موتیاں کے ہار جو تی چھاتی پہ جو ہیں تیرے
اسمان کے ابر تھے تارے مگر جھڑے ہیں

غواص اس غزل کی دولت تھے یو غزل جو
بولیا سو من ہو کے خوش عارف جکوئی بڑے ہیں

گاہ دیدیاں میں تجے گہہ دل میں پنہانی رکھوں
کو تلگ یاں واں چھپایوں تج کوں لے جانی رکھوں

عشق دریا ہوا پس دل میں تھے آنا ہے مرے
کیوں سنبھال آج اِس دریا کی موج کا پانی رکھوں

جب کروں غواص ہو اس حسن خوبی کا بیاں
دلبراں کے دل میں نت عالم کی حیرانی رکھوں

تاریاں نمن گگن کے چند سور جو پڑے ہیں
تج نور تھے جھلک پا اونچی سیڑھی چڑے ہیں

سمدور نور کے جس کہتے سو تو نچ ہے کر
دینے بدل گواہی آ دبراں کھڑے ہیں

تج مست نازنیں کی دستیاں ہیں لال انکھیاں
سو کیاں کے لیے کٹارے گج ناگ سوں لڑے ہیں

غواصی کے بچن ہیں یے بدل نہ رتن یو

تج دھن کے سیس پھولاں پر جو جرطت جڑے ہیں

قلم کوں قد کے ترے دیکھ ہوا بھوں کا نوں

صریح سورہ نورہ القلم ہے کر جانوں

جمال سورۂ نور ہوا گلال سورہ شمس

ادھر ہے سورۂ کوثر کہ دل میں گذرانوں

لکھا اے نگار سچ ام الکتاب ہے تیرا

بھلا جو اس کے بیاں تھے زباں کوں گردانوں

غواص جو یو غزل بولیا ہے سو اس کا

نوا ہے طرح نوا طرز ہور نوا قانوں

سہیلی تج پری ناکوں تو کیا کوں | چھبیلی چھند بھری ناکوں تو کیا کوں

تری باریک بال ایسی کمر کوں | میں اپنی لاغری ناکوں تو کیا کوں

ترے چہرے کوں خوبی کے گگن کا | چندرا اے سندری ناکوں تو کیا کوں

دو تیرے رس بھرے دونوں ادھر کوں | پیالا کوثری ناکوں تو کیا کوں

غواصی کوں امولک تج رتن کا

سکی میں جوہری ناکوں تو کیا کوں

اے دل آرام میں جدھر جاؤں | دل کوں تیر تج پاس دھر جاؤں

نین کوں فرش سر کوں کر پاؤں | نت گلی میں تری گذر جاؤں

پاک تیرا جمال دیکھوں تو | سُدبد چھوڑ بے خبر جاؤں

جب ترے برہ کا بدل گرجے | نیر ہو تب انکھیاں تھے جھر جاؤں

حال یکساں نہیں کہ جیوں جمنا
گہہ بہوں پور گہہ اتر جاؤں

ردیف و، ہ

آج اے عاشقاں ہو عید کرو   شہ کی دولت خوشیاں مزید کرو
عشق جو نا ہو رہ گیا ہے دیں   پھر بجد ہو اُسے جدید کرو
گرم ہے شہ کے حسن کا بازار   آج نظارگی خرید کرو
پھول کے سار کھل شگفتا ہو   غم کوں یکدھرتے ناپدید کرو
وقت ہے ساقیاں کوں بولو آج   نقل ہور جام مستعید کرو
سرخوشی سات شہ سوں یکدل ہو   آج کچ گفت ہور شنید کرو
مدح میں شہ کی جیوں غواصی آج
طبع کوں شوخ ہور رشید کرو

کھلے سر تھے گلزار الحمد اللہ   اٹھیا جگ میں مہکار الحمد اللہ
جہاں کا تہاں آج دیتے ہیں جلوا   سعادت کے آثار الحمد اللہ
سوئے بخت میرے جو تھے آج لگ سو   دیئے جاگ یکبار الحمد اللہ
میرے ذوق شوق ہور آنند کیرا   ہوا گرم بازار الحمد اللہ
نظر منج غواصی اپر کر کرم کی
نوازیا دو غفار الحمد اللہ

ردیف ی

دیدا ہو سب تن دیکھ چل مشکل پرم کی باٹ ہے
بٹ پاڑواں کا جیا بجا اس باٹ لگی کھنڈلاٹ ہے

ہے دلبراں کا ہاٹ یو اپنا سنبھال ایمان یاں
یک دھر تھے لوٹا لوٹ ہور چوندھر تھے لاٹا لاٹ ہے

باٹاں میں سیدھی باٹ سو ہے باٹ میرے لال کی
جے دل یہاں ثابت نئیں وو دل سو بارا باٹ ہے

منج سر تو بازی عشق کی آ کر کھڑی ہے دیکھنا
کیوں ہو کر آگا عاقبت دل میں بڑا بھگلاٹ ہے

بات سینڑے نہ تج حقیقت کی عشق بازی بغیر مجاز کرے
تج سے محمود کا ایاز ہے کر عارفاں منج کوں امتیاز کرے
میں کروں ناز تج اپر تو سبھے
ناز محمود پر ایاز کرے

پرت پیو سات لانا کامیابی کی نشانی ہے
دوئی کوں دور کرنا بے حجابی کی نشانی ہے

تو عارف ہے تو سرکش نفس کوں اپنے کہنے میں لیا
کہ پھرتا نفس کے کہئے میں خرابی کی نشانی ہے

تونگر دو جہاں میں جس کہیں سو دل ہے عاشق کا
پیشانی پر اگرچہ اس کی بے آبی کی نشانی ہے

قصیدہ ہور غزل کہنے کے فن میں دیکھتا ہوں تو
غواصی ہیں ظہیر فاریابی کی نشانی ہے

تج سار کہیں جگ میں پریزاد نہو سے
کوئی نازنیں تیرے نمن استاد نہو سے

لئی حسن تو دیکھیا ہوں اس انکھیاں سوں آما
ایسا کہیں بھی حسن خدا داد نہو سے

اس باغ کے سرواں کوں کہاں روح اچھے گا
جس باغ کے سرواں میں تو شمشاد نہو سے

تج سار کے شیریں کے کٹھن عشق منے آج
غواص نمن کوئی بی فرہاد نہو سے

دھریں دایم عجب پروانہ ہمت کے پراں میرے
یو تو انبر جو اوبجے ہیں سو گمتے کے گھراں میرے

جہاں لگ بندراں ہیں بے بدل باتاں کے موتیاں کے
اثمل تجاریں ہوں ہور دو سارے بندراں میرے

اجالے دن کوں ہور کالی رین میں یو ستارے سب
جو ڈبتے ہور نکلتے ہیں سو ہیں بازیگراں میرے

دیوانے میں کروں یکدھر تھے سب کوں آتو عجب کیا ہے
کہ جم باتاں کے منتراں سوں بھرے ہیں دفتراں میرے

غواصی جوہراں جوتی تو لئی دھرتا جنوں میں آ
کہاں دو جوہری پارکھ جو پرکھے جوہراں میرے

نجانوں اسے سکی تو کیا بلا ہے کہ سارا شہر تیرا مبتلا ہے
چندر ہور سور کے دو آرسیاں کا چھبیلا مکلا تیرا گلا ہے
پری ہور حوریاں کچ ریج نہ پاویں کہ باتاں تج حسن کا لئی غلغلا ہے
سنا غواص کوں تیرا گلا ٹک
کہ چارا روح کا تیرا گلا ہے

کٹھن موجاں برہ کے منج یہ ساری رات چلتے تھے
صبا لگ دکھ کے دریا ہو نین میرے ابلتے تھے
زمیں بھر کر انجھویوں جا لگے تھے آسماناں کوں
جو تارے بڑبڑے ہو کر اس انجھواں میں اچھلتے تھے
لگی تھی چھیٹی پوری نہ تھی کچ نیند منج اصلا
کہ روما روم سروالے ہو میرے تن میں سلتے تھے
غواصی حال دیکھ میرا ہوے جل راکھ سر تھے بی
جکوئی معشوق تھے اپنے بچھڑ برہے سوں جلتے تھے

کیوں ہے کی حال میرا اے یار کون جانے
کہہ باج کھول دل کا اسرار کون جانے
چپ کیچ آج رہ رہ جیو چرنکتا ہے میرا
کیا جیو میں لیا لیا کی دو یارہ کون جانے
دو دیس صبر کوں میں سینے میں رکھو کیا تھا
رکھگا کی یا نہ رہ سی اس ٹھار کون جانے

جینے لگ سائیں سوں میرے پرم کی دھات ایکی ہے
جدائی نہیں ہمن دونوں میں کہ اے وو ذات ایکی ہے
نظر کیں جیو کیں دل کیں بھرے تو کیا ہوا آتا
کہ سب کے نات کی رسری سجن کے ہات ایکی ہے
غواصی خضر ہو پیو زلف کوں ظلمات کر پایا
کہ کالے بن میں پیو کا زلف ہور ظلمات ایکی ہے

جب توں اس بات النگ جاتا ہے دل یہ کا بھانک رنگ جاتا ہے
دیکھ تج مکھ کی شمع کوں یو جیو دوڑ تا جیوں پتنگ جاتا ہے
ناز تج دو کی مست انکھیاں کا کر سینے میں سرنگ جاتا ہے
عشق تیرا گھڑی گھڑی کوں جال لے مار روپ رنگ جاتا ہے
تج بدل مجنوں ہوے جاے آتا کیا کروں میں کہ ننگ جاتا ہے
نیں منجے کچ قرار آتا آج وقت تج باج تنگ جاتا ہے
گر توں ملتا ہے منج سوں اے غواص
درمیانی تھے جنگ جاتا ہے

اے جو تج تھے حیات میری ہے تج ادھر پر برات میری ہے
جاگنے کوں منگے تو منج سوں جاگ آج کی رات رات میری ہے
باو تج زلف کا ہو پھرتا ہوں نات آج اس کے ہات میری ہے
کیوں نہ دیوانگی کوں دیووں سر
عین مجنوں کی ذات میری ہے

نہ جانو کن دیا ہے کی خبر تج حسن کی جا کر
ملائک بے خبر ہوسٹ پڑے ہیں نو گگن میانے
پتنگ ہو جیوڑا میرا فدا ہو جائے تج پر تھے
جب آوے شمع ہو کر توں جھمکتا انجمن میانے
دریا گن گیان کا ہے توں کدھیں اصلاح دیتا جا
اگر کیں کچ غلط ہووے غواصی کے بچن میانے

اے پری گن بھری گھنگر والی — ہے توں جانی کے مد میں متوالی
مست تج نین ترک زادیاں کا — غمزہ استاد زلف ہے والی
لال دو گال رنگ بھرے تیرے — عین جیون نازنگیاں ہیں بنگالی
جھب سوں تیرے سینے پر جھلتے سو — نہ کہ وو موتیاں کی ہے جالی
بلکہ تارے تیرے دیوانے ہو — آئے ہیں کر گگن کوں سب خالی
مکھ پہ تیرے ہیں یو عرق کے بند — پھول پھوٹے ہیں جیوں برشگالی
ہنج کوں یاقوت کے بدل بس ہے — تج رنگیلی کے ہونٹ کے لالی
درس تیرا سو دین کا دیوا — لٹ تری کفر کی ہے دیوالی
شہد تھے مٹھا ترا رسنا — ہم شکر تھے مٹھی تری گالی
کھول ادھر ہنج سوں بول بارے توں — کس چمن کی ہے پھول کی ڈالی

دنیا کے طمطراق تھے درمندگی بھلی
یعنی زمیں کے سار سرافگندگی بھلی
گرزندگی کی ہنج توں خبر پوچھتا ہے تو
جس زندگی کوں مرگ نیں وو زندگی بھلی

ہے خواجگی کچاٹ نہ پڑ اس کچاٹ ہیں
بندا ہے تو ہمیشہ تجے بندگی بھلی
منگتا ہے سرخروئی ابد کی تو اے غواص
شرمندہ اچھ توں آج کی شرمندگی بھلی
نظر جو منج پہ کرم کی مرا الہ کرے
اپے ہو شاہ میرے دل کوں تخت گاہ کرے
نوازنیچ پراس کا دیا جو آوے تو
گدا کوں ہات پکڑ تل میں بادشاہ کرے
جیکوئی اس پہ توکل کیا ہے یکچت سوں
وکیل آپ ہو اسکا اپے نگاہ کرے
بقدر حوصلہ کرتا ہے ہر کسے وو عطا
اُمید ہے جو منج پہ گاہ گاہ کرے
کہو دنیا کی محبت کوں کیوں کرے وو قبول
جسے خدا کی محبت سینے میں راہ کرے

ریختی

سہیلی نس ٹلی جیوں تیوں صباہوئی سور بھادہ آیا
جلانے منج برہنی کوں نکل جیوں گرم انگار آیا
سینے میں دل کوں دھنڈ نہ پائے کیں کسے پوچھوں
کہ چارا منج نہیں دستا نیٹ چھاندکار آیا

سراسر اس تنک تن کوں نجھا کر دیکھتی ہوں تو
یکایک دس کہ منج انکھیاں میں جیوں باریک تار آیا
جو کوئی جیو کا سنگاتی تھا سو مطلق منج تے مکھ موڑیا
نہ دل میں مہر کچ اس کے نہ ذرا دل میں پیار آیا
کہاں تھے جمعیت پاوے کیوں مکھ دیکھاوے اس
کہ جس کے دل کے درپن پر کدورت کا غبار آیا
غواصی میں تو بسری نین ہوں اس من کے سنگاتی کوں
دو بسریا منج کوں کیوں ہے سو بڑا دل پر بچار آیا
آج نس پیو میرے سیج پر آویں تو بھلا
چاند ہو جاگ اپے منج کوں جگاویں تو بھلا
جیوں کلی کونڈ اچھوں کو تلک اپس کوں ڈھوں
پھول کر آج میرے دل کوں کھلاویں تو بھلا
ہے ادھر سائیں کے امریت ولے پیار کر منج
منج پیاسی کوں وو امریت پلاویں تو بھلا
ایک دل ہات لئے تو ہے کتے لاک ثواب
یو ثواب آج میرے لال جو پاویں تو بھلا
اے سکیاں بانہ پیا کا ہے سچا نو سر ہار
آج وو ہار مرے گل منے باویں تو بھلا
منج میں لگی چھند پیا کوں ہے اچھانے کے ولے
چھند پر ریج مرے ذوق میں آویں تو بھلا

بیا دیاں ہو آج گرم ہے بازار تھنڈ کا
ہے وقت شہ سوں مل کریں بیپار تھنڈ کا
پکڑے ہے کھینچ تھنڈ ہنجے چھوڑتی نہیں
شاید ہے سب تھے منج پہ بڑا پیار تھنڈ کا
منج برہنی کے گھر میں گئے دیکھ تھنڈ مقام
فریاد کر اٹھے در و دیوار تھنڈ کا
غواصیا پیا کی نظر منج پہ ہوے تو
میر اسکیاں ہیں جینت ہے ہور ہار تھنڈ کا
ساقی شراب دے کہ بغیر از شراب تھنڈ
سوسیا نہ جائے آج کہ ہے بے حساب تھنڈ
بیوتھے . بچھڑ دھیاں سو ہے سہلیاں کوں سیج پر
دیتی ہے مل فراق سوں تیرے عذاب تھنڈ
گزرانتی ہے حد تھے جفا منج پہ تھنڈ آج
کیا شاہ کوں دیو یگی نجانو جواب تھنڈ
انکھیاں تلیں صبا ہوئی کا اے آفتاب حسن
دکھلا ترا جمال جو بھاگے شتاب تھنڈ
غواص کوں لگے سو چھڑا کوئی سکے نہ آج
تج باج اے شہنشہ عالی جناب تھنڈ
اے سجن تج کوں یاد کر بل بل رووں الیس ہیں اپیج میں ڈھل ڈھل
ہوں جو گوری تھی سو کالی ہوئی آگ سوں تج فراق کے جل جل

دیکھتی ہوں سینے پہ تو غم سوں   نیر ہو گئے ہیں جو بناں گل گل
گر رضا ہووے تو دیکھنے تج کوں   پاؤں کر سر کوں آوں گی چل چل
یاد کر یا نہ کر مجے اے غواص
میں تو ہوں یاد میں تری پل پل

کدھاں وو دیس ہووے گا جو سائیں ساتھ مل بیسوں
گرون حظ دل منگے تیوں ہور ساری رات مل بیسوں
درس دیکھن کوں نیں ممکن منجے وو بخت کاں ہے جو
میں اپنے ہات میانے لے پیا نا ہات مل بیسوں
رین دن میرے بختاں تھے یہی حیرانگی ہے منج
کہ جاوں کس کے نزدیک ہور کس سنگات مل بیسوں
پیا تو بی اپے ہو کدھیں یوں دل میں نئیں لیا نا
جو اپنے جیو کی پیاری سات جا کیسات مل بیسوں

اس ٹھنڈ تھے سہیلی میں جو اکڑ رہی ہوں
پیو کا وصال ہو گا کر جیو پکڑ رہی ہوں
دسریاں سجن کی دولت ہو گرم ٹھنڈ کوں بریاں
میں کانپتی پنجے میں ٹھنڈ کے سپڑ رہی ہوں
عالم کی ٹھنڈ ساری منج گھر میں آبھری دیکھ
میں پیو پیو کہتی کونے میں ڈر رہی ہوں
اس ٹھنڈ کی جفا کوں موں کھول کس سوں بولوں
جس بولنا ہے اس نگ میں نا اڑ رہی ہوں

سامان صبر کا سب تھنڈ لوٹ لے گئی دیکھ
ہمت نہ سٹ پکڑ دو جوبن کی گرڑ رہی ہوں
دکھلا درس اجھوں شہ تھنڈنیں مری گنواتے
وو کیا کروں غواصی اس غم تھے ارڑ رہی ہوں

قصیدے

حکمت سے جے حکیم یو پیدا جہاں کیا
روشن بھر اختراں ہوں گگن کے تھراں کیا

تحت الثرا تھے تا بہ ثریا رواج دے
قدرت ہر ایک چیز میں اپنی عیاں کیا

بے مثل ہور نروپ ہو لک رنگ روپ سوں
اظہار دو جہاں میں ایس جل تہاں کیا

پیغمبراں میں احمد مرسل کوں دے شرف
جو آپنا حبیب کہا کامراں کیا

ویسے کوں بل نہ تھا جو عرفاں ک بول اکھے
گم اپنی معرفت کے انگے جاودان کیا

قیوم ہو بقا کوں ایس برقرار دے
نازل ہر ایک شے پہ فنا بے گماں کیا

خوباں کی ہور پریاں کی اُمید ہور ڈر بدل
دوزخ کے ہور بہشت کے پیدا گھراں کیا

کس دم اجال اپنی خدائی انگے نہ دے
اپنا ج سب جہاں پہ حکومت رواں کیا

اس کی تقاسوں خوش ہے جنے اسکے درد کوں
دارو اپے طبیب ہو وو مہرواں کیا

انواع نعمتاں دے بندیاں کوں نہال کر
شکر سوں اپنے شکر کی شریں دہاں کیا

اپنے دیا سوں ہات پکڑ خسرواں میں آج
جو شاہ عبداللہ کوں سر سروراں کیا

مقبول دو جہاں میں کر اسکے جمال کوں
بے اشتباہ قبلہ روحانیاں کیا

ہر دم ہزار شکر جو منج داس کا مقام
اس شاہ بے نظیر کا آستاں کیا

اوصاف اس شہنشہ عالی صفات کا — خورشید قدسیاں میں لیا داستاں کیا
جاں لگ ہے اہلِ دل رہے حیران ہو تمام — جیوں اس سجن کے حلم کوں جو میں بیاں کیا
حضرت علی جو شیر خدا کا ہے بے بدل — دولت بقا کی دے اسے قطب جہاں کیا
آلِ عبا کی راہ روش ہور سلوک کوں — ارزانی اس کوں خالق کون و مکاں کیا
دیک اس نکو خصال کوں ہر کوئی یوں کہے — گویا ظہور مہدی آخر زماں کیا
داد دہش سوں عدل ہور انصاف سوں تمام — اس رو میں اپس کوں یوں نوشیرواں کیا
ملک دکھن میں آج اپن تخت گاہ کوں — جیوں اصفہاں یو خسرو گیتی ستاں کیا
ایسے نول سجن کوں نظر کوئی نہ لاے تیوں — اسپند سار جال ہیں اپ سیں دھنواں کیا
جم اس کے دشمناں کے دلاں کوں بچادنے — کرناں کوں اپنے سور سراسر سناں کیا
ہم دین ہم دنیا میں ہوا کامیاب ہیں — اس کے بندیاں میں جمع منجے حق جدہا کیا
جے نامراد اس تلک آیا سو خوش ہے — انیٹرا مراد کوں کرم بے کراں کیا
یارب حیات خضر کی دے اس ہلا مدام — تازا جہاں کوں سر تھے اے جیوں بوستاں کیا
میرا دعا توں بار خدایا قبول کر — روں روں کوں ہیں دعا بدلا اسکے زباں کیا
غواص ہو کیا جو میں اس نظم کوں تمام — حسنت اختراں سوں چندا چودواں کیا
ہو شاد اس قصیدے پہ ہر بیت کوں سو آج — جیوں کنٹھال اپنے گلے آسماں کیا

اِس شاہ باج کوئی نہیں منج پناہ گیر
از غیب ہاتف آ منجے خاطر نشاں کیا

(۲)

شکر خدا جو ذوق پر ہے ٹھارے آج
یعنی ہوا ہے ہر طرف ہور ابر گوہر بار آج

نادر بہارستان کا زرگر ہزاراں صنع سوں
کیتا جڑت گلزار کے جھاڑاں کوں خوش سنگار آج

کسوت ہری کر دھرتری شبنم کے موتیاں میں ہو غرق
دیتی ہے جلوہ ہر گھڑی جیوں گنبد دوار آج

صحرا ہو دنیا نور کا موجاں پہ موجاں مار کر
بخشے چندر ہور سوہ کوں سکھ ہور صفا اپار آج

عالم معطر ہوے کر کیوں رات دن مہکائے نا
کھولیا پون ہر پھول تھے صد نافہ تاتار آج

عارف ہو بیج اخلاص کا دل کی زمیں میں بیوے
جو جھاڑ تج مقصود کا دو جگ میں سیارے بار آج

گلزار تیرے عشق کا کملائے کرنا یتوں کدھیں
انکھیاں تھے اپنے جیوں بدل برسے انجھو کی دھار آج

جرا ترے تن کا جو توں منگتا ہے نورانی اچھے
روشن ہو دیوے کے نمن دکھلا ترا جھلکیار آج

ملک ابد کی خسروی پانا کہ جو تیرا ہے عزم
توفیق کی تیزی پہ چڑ ہمت کی لے تردار آج

کولگ کلی کے سار اپس غم سوں ادکھے گا کونڈ توں
جیوں پھول شادی سات کھل خنداں نکل ابھار آج

اپنا پرایا کس نکو ہر دل میں جیو ہو سیس توں
فرصت غنیمت جان لے کرسبی کے حق ایکار آج

جیوں چاند ہر نس جگ منگا جم صبا لگ جاگ خوش
جیوں سور ہر دن کوں نکل روشن کرا ے سنسار آج

اے جگ پتی چند سوراجھوں دیکھے نہیں کس ملک میں
بر دیت تج شہ سار کا تروار مارن ہار آج

اس گنبد دوار تھے لک ٹھار درجے سوں بلند
دیتار ہے تج شاہ کا درگاہ ہور دربار آج

تیری صفت کی بات بن کاڑیں نہ دسری بات کوئی
ملتے ہیں جاں دس پانچ ہور گمتے ہیں جاں دو چار آج

اے لال تیرے لال ادھر اپر لال تھے قربان ہوئیں
جاں لگ دلاں کے کھان میں ہیں لال جوہر بار آج

تیرے بلند اقبال کی دولت تھے آسودے ہیں سب
جاں لگ جڑی ہور جنگنی جاں لگ ہیں مردو مار آج

جن کوئی کھا تیرا نمک تیری وفا میں نا اچھے
نکلے پھٹ اس کی ذات میں ترت اس نمک کا کھار آج

پانی تھے جگ میں دھرتری دھرتی ہے جو لگ تازگی
تو لگ اچھو تازا شہا تج عیش کا گلزار آج

بعضے مراد ہور آرزو خواہش تھے اس دنیا منے
جیتا ہے لگ غواص کوں بس ہے ترا آدھار آج

---

(۳)

دو کون کا جو ہے خالق خدائے عز و جل
کیوں اس کے ناؤں پہ ہر دم نہ جاؤں میں بلبل
کہ لامکان و قلم اوج عرش ہور کرسی
فلک ستارے چندر سور برق ہور بدل
تمام اس کی خدائی اپر گواہی دیں
کہ اس بغیر نیں دوسرا کوئی آخر و اوّل
جو اس کے بعد بھی ہے مصطفےٰ حبیب اللہ
رسول ہے دو جہاں کا بنیاں میں سب اکمل
جمال بے بدل اس کا جو عالم آرا ہے
اچھو درود ہزار اس پہ ہر گھڑی ہر پل
خدا کی ذات میں ہور اُس تو کچ جدائی نئیں
جدا خدا تھے جن اس دیکھیا سو ہے احول
جب انگلی سوں وو اشارت کیا فلک کے دھیر
دو پھانک ہو اتر آیا جو چاند کا منڈل
امام دین و دنیا کا جو اس پچھیں ہے آج
گنبھیر شیر خدا کا علی ولی بھیج بل
مدام ناوں کوں اس کے گئے ہیں ورد اپنا
ستارے چاند سورج زہرہ مشتری و زحل

زہے شرف جو محمدؐ نبی کی سب اولاد
ظہور جگ میں ہوئی اس کے پشت میں تھے نکل
سراسے تا بہ ثریا تمام روشن ہوے
جس آرسی پہ پھرے اس کی یاد کا صیقل
جکوئی اس کی محبت میں آج صادق ہے
ہمیشہ زندہ ہے وو نا کدھیں اسے ہے اجل
ولے وو صدق میسر کہاں ہیں سب کوں آج
جو دل لگائے اسوں چھوڑ دے دغا و دغل
وہی محب وہی محبوب دو جہاں کا ہے
کہ جس کے دل منے اس کا ہے علم ہور عمل
بغیر علم و عمل رہ جو کوئی صلاح ڈھنڈے
صلاح نیں ہے وو ہے عین جنگ ہور جدل
دلا نظر ہے تری گنج پر سعادت کے
تو نفس ساپ ہے اس کی منڈی توں اڈل کچل
نہ اس خدا نہ محمدؐ رسول ہے نہ علیؓ
کہ جس کے موں منے مسجد ہے دل منے دیول
جو یو دنیا ہے رنگا رنگ پھول باڑی آج
دغا کوں اس کے توں کر بلبلاں کے غل تھے حل
بہار جا کے جو آتا ہے اس خزاں کا وقت
تو موگرا ہے نہ چنپا نہ سیوتی مخمل

جو دیکھتا ہوں نجھا دل سوں تو اس دکھ کا
ہے آسمان کے سینے پہ سور جیوں دنبل
حیات باد ہے اس باد پر نہ کرنا تاو
کہ باد کوں نیں پکڑ یا مٹھی میں کوئی چنچل
سچا غواص توں ہے تو منم کے جوگاں سات
عبث زمیں کے اپر گیند سا یوں نہ اچھل
تو کام کر لے ترت آج کل یہ بہار دنیا
ہے جا نہار نکل کر رہے نہ آج نہ کل
تری دنیاں میں عجب راہزن ہے ابلیس آج
دغا نہ کھا ہے تج آسان کرے سب او کل
توں آئیا ہے سراسر لطیف آتے بار
نجا دنیا کی نجاست سوں یاں تھے مستعمل
جو دور کرنے اندھارے کوں منگتا ہے توں
انجو کوں تیل بتی تن کوں دل کوں کر مشعل
کتاب عشق کی پڑنے جو من منگے تیرا
توں آنکھ حرف اپر رکھ نہ دیکھ توں جدول
ترے ضمیر میں گر حب حیدری کچ ہے
تو کاڑ سٹ ترے سینے منے تھے غش ہور غل
مرید دے جو ہے شاد اس تھے شیر علی
سعید دے جو خوش اس تھے خدائے عزوجل

جہاں پناہ جہاں گیر شاہ عبد اللہ
جو شیر حق کے مریداں ہیں آج ہے افضل
محبت آل علی کا ہے اس کے دل میں یوں
کہ نور آنکھ میں جیوں ہور پھول میں پریل
لطیف روح یہی ہے کہ جگ پتیاں میں آج
دعائیں اس کی قدر ہے قضا ابد ہور ازل
ازل تھے ایسے لے آیا ہے یوں بلند اقبال
جو عرش اس کے ظفر کا بجائے روز طبل
ہتھی منگل ہیں صریح اسکے فیل خانے کے
جو گڑ گڑاتے ہیں جو بن کے بادلاں کے دل
جم اسکے حاشیہ بردار حبشی و رومی
جم اسکے حلقہ بگوش ازبکی ترک و مغل
ہے یادگار رتمہ آج اس کی بخشش کا
گلے منے جو گگن کے ہے سور کا ہیکل
ایا شہنشہ گردوں سریر تیرا نور
جو آفتاب تھے لک ٹھار ہے نچھل نرمل
جہاں میں آج یقیں جان اس آسمان تلیں
ہے ہر کسے بدل اتا تجے نئیں ہے بدل
ہمیشہ طالع تج بختور کے دیکھ توی
زمانہ رقص کرے خوشیاں سوں مار بغل

چھپے پتال میں جا نھاس ڈر تھے تیرے آج
جفا و جور ستم ظلم شور ہور خلل
اڑیں فنا کی پون سات راکھ ہو بالکل
ترے دندے ہیں جہاں لگ حسد کی آگ میں جل
فلک ہے آج ترا صدر ہور ستارے پھول
پیالا بدر منور ہے ہور ہلال چھگل
ترے جمال کے بے شل شمع کے چوندھیر
پھریں پتنگ ہو جم دلبراں جیتے چنچل
جہاں تلک جو چھبلیاں ہر ست انکھیاں کیاں
کیاں ہیں سب ترے تلویاں کی گرد کوں کاجل
جو بن میں سیر کوں اے سرو تو نکتا جاے
سماع دیویں تجے دیکھ چمن کے رکھ ہل ہل
کریں بڑائی ہو یو ورد ہ باس سوں تیری
عبیر عود جوا مشک بر کی صندل
بچن کے دُر کے دریا کا جو میں ہوں غواص آج
ترے دیا کی پون سوں شگفتہ جیوں ہے کمل
ہمیشہ تیری ثنا میں رتن بکھیر دں میں
ہے قصیدہ کہوں بے نظیر گاہ غزل
مری زباں پہ گذرتا ہے نانو چڑ تیرا
ہو فکر دور سینے پر تھے ذوق آئے ابل

اچھو تدھاں تلک اے راج جگ میں تیرا راج
جدھاں تلک ہے فلک پر قرار برج حمل

(۴)

آج شہ گھر ہے ٹھار ٹھار خوشی — ذوق پر ذوق ہور ہزار خوشی
سکھ یہ سکھ اس سجن کوں دسنے میں — آئے ہیں جیوں پری سنوار خوشی
نازنیناں کے بیس زلفاں میں — بھوگ لیتی ہے تار تار خوشی
دیکھتا ہوں میں چھاؤں جاں کا تاں — جلوہ دیتی ہے جیوں بہار خوشی
گرمتی ہے تو شہ کے ہیم کی تو — دل منگے تیوں گراے نِگار خوشی
اس برس گانٹھ کی طرف تھے آج — سب کو بخشا ہے کردگار خوشی
شہ سوا تری ہے خوش رلیاں میں آج — کر سہیلیاں کے دل میں ٹھار خوشی
نانو کوں جگ میں غم نہ رہے تیوں — بھار بائی ہے غم کوں مار خوشی
لہلہاتے چمن کے جھاڑاں پر — آئی ہے پھول پھل ہور بار خوشی
بلبلاں مل گلاں سو گل ہو — آج کرتے ہیں بے شمار خوشی
گانٹھ اِس برس گانٹھ کا پانے — ہوئے میسا ہو آشکار خوشی
آج اِس شہ کی شادمانی میں — کی ہے پیدا خوش اعتبار خوشی
کیوں نہ پاؤں سوں لگ اکمس پاؤں — کہ مرے دِل ہوئی ہے یار خوشی
پھول کے سار منج کھلائی آج — دور کر دل تھے خار خار خوشی
اس چتر لال کے جمال ایرال — آج کرتے بدل نثار خوشی
دل کے دریا منے تھے میرے کاڑ — لیائے لگ در شاہوار خوشی

اس زمانے میں توں کرے تیوں آج   نیں کیا کوئی شہر یار خوشی
اے جہاں گیر شاہ عبداللہ   دے ہے شاہاں میں منج قرار خوشی
دو جہاں میں عطا کئے ہیں جو تج   شیر حق شاہ ذوالفقار خوشی
ذوق کر جم کے ذوق تھے تیرے   منج غواصی کوں ہے ہزار خوشی
کر کرم کی نظر ہے آج بہت
تج کرم کی امید وار خوشی

(۵)

زباں اچاؤں ترے شکر سات اے باری
کہ ہر زباں پہ ترا شکر ہے سدا جاری
تہیں کریم تجی کوں سبھے کریمی جم
تہیں غفور تجی کوں سہائے غفاری
کسی جہاں میں توں نئیں دیکھتا سو نئیں ہے کچ
کہ ہر ذرے کے اپر ہے تری نظر ساری
ہر اک بندے پہ سو مادراں کی تیری مہر
تمام جگ ترے یک مہر پر تھے بلہاری
تجے نئیں ہے کسی کی مدد سوں کچ حاجت
کہ کل شئے کوں تج تھے ہے جم مددگاری
کھلے نہ تیرے اشارت بغیر گل بن میں
کرے نہ تیری رضا باج باد عطاری

ڈھلے نہ بند ترے حکم باج بادل تھے
ہلے نہ تیرے کہے باج یو زمیں بھاری

ایس میں آپ ہیں حیراں دیکھ تیری قدرت
تمام خاکی و بادی و آبی و ناری

توں او قدیر خداوند لایزال اہے
جو تج خدا پہ کسی کی چلے نہ عیاری

گزارہ کون سکے حق تری عبادت کا
کہ جن و انس کوں ہے جو بڑی شرم ساری

محمد عربی نعت جو اس کے گیسو پر
ہزار مرتبہ قرباں ہے مشک تاتاری

علی ولی ہور اگارا امام کے حب باج
نہ راہِ راست کسی کوں نہ راست رفتاری

امید ان کے شفاعت کی بس ہے عالم کوں
ہے کرنہارہ وہی امتیاں کی غم خواری

خدا کدھیں تجے بھلوے سو کام اس حد تک
جنم میں اپنے کیا نیں بغیر کنہ گاری

دنیا کے دام میں پڑا ہیں وضا سوں رھیا ہوں
کہ شہد میانے مکھی جیوں رتی ہے بیچاری

لذت منے جو اسے دیکھتا ہوں یکساں نیں
کدھیں مٹھی ہے کدھیں سو کٹھی کدھیں کھاری

نماز کوں جو کھڑا ہوتا ہوں میں نیت باند
تولاک دل منے آتے ہیں وسوسے کاری
بغیر ہوا و ہوس کچ خیال میں نہ جمے
بغیر کفر بسے نہ سینے میں دیں داری
اگر نہ ہوے منجے راہ بر ترا توفیق
تو زندگی دسے تاریک جیوں شب تاری
ترے کرم سوں خدایا نجات منجکوں بخش
کہ بے قرار کرے منج کوں اے گرفتاری
لطیف ہے توں پھرا تیرے لطف کا صیقل
کہ آرسی مرے دل کی ہوئی ہے زنگاری
چراغ تیری ہدایت کرا دے میرے ہات
کہ باٹ بھوت ہے باریک رات اندھیاری
نہ دین کا منجے سامان کچ جو اس پر تھے
کروں نشاط کی مسند پہ بیس سالاری
نہ اس دنیا تھے نفع کچ ہے بے وفائی باج
نہ کچ فلک تھے ہے حاصل بغیر دل آزاری
دریغ آہ کدھر کا ہوا نہ آخر میں
کہے میں نفس کے مل کھیتا ہوں یوں خواری
یقین جان ترے لطف کے حکم کے بغیر
ہوئے نہ دور مری گمرہی کی بیماری

عجب نئیں جو کلیجا پھٹ اس دریغی سوں
نکل کے جاے یکا ایک جیو پر بھاری
جو دیکھتا ہوں تجھا کچ نئیں ہے میرے پاس
بغیر شکستگی ہور عاجزی بغیر زاری
کیا ہوں بار خدایا بس آس تیری آج
کہ تج بغیر نہیں ہنج کوئی جو دیوے دلداری
بہر طریق مرے سر پہ توں توی ہے کر
رکھیا ہوں جیوں پکڑ سو ستا ہوں دشواری
دیا سوں بول کرم کے اچھال کوں تیرے
جو دھوسٹے مرے دل تھے تمام بدکاری
زیادہ اس تھے کہوں کیا کہ آج دسرا کوئی
ترے بندیاں میں ہنج ایسا نہیں ترا آدھاری
بغیر یاد سوں تیرے اچاووں دم نہ گھڑی
اگرچہ میں ہوں دھندے والا ہور سنساری
ہوں شرم سار ترا میں سو بس ہے یہی منگوں
کسی کے مو تھے نہ کر شرم سار اے باری
کرے توں مہر تو تج کوں سہے مہر دانی
کرے توں قہر تو ساجے تجی کوں قہاری
کیا تمام تجے عرض راستی سوں میں
کہ تج خدا کوں لگے سب تھے راستی پیاری

جو خسرواں ہیں ہے قطب آج شاہ عبداللہ — ابد لگ اسکو اچھو جگ منے جہاں داری

جہاں سب اس کے کرم کا امید وار دسے — عجب سخی اہے یو ہور عجب اپکاری

ملام سرخوش اچھے ہور کہ ھیں نہ ہووے مست — کہ اس کے جام میں ہے جم شراب ہشیاری

شہاں میں اس کے مقابل تو کوئی نئیں دستا — گمبھیر راج دیئی بے نظیر ترداری

جہاں کے سر پہ سدا ہات اسکی بخشش کا — ابھال ہو کے کرے رات دن گہر باری

فلک کوں اس شہ عادل کے دور میانے آج — مجال نئیں جو کسی پر کرے ستم کاری

حلیم ہور مہربان محض نیکوکار — ہوئی ہے ختم اسی پر مگر نیکوکاری

اسی تھے چاند ستارے صبا تلک ہر رات — ہمیشہ اسکی دعا سوں کریں شب بیداری

یو مدح اس شہہ عالی کرامتگوں لکھنے — ورق ہو آج کرے آسمان طوماری

ہزار شکر جو خوش ہو کے یو شہہ عارف — خطاب منجکوں دیا ہے "فصاحت آثاری"

معطر آج شہنشہ کے بزم کوں کرنے — شگفتہ طبع مراجیوں ہے پھول گلزاری

جہاں کوں ایک طرف تھے کرے مرصع آج — کرے بدل جو مری طبع کا گہر باری

غنی اپ کوں کہاوں تو کچھ نئیں ہے عجب — کہ بے قیاس ہے منج پاس در شہواری

اچھو ندھاں تلک اس شاہ کا بلند اقبال — جدھاں تلک کرے تاریاں میں چاند سرداری

خوشی سوں راکھ خدایا منج اسکے سایے میں
کہ میں غواص جم اسکا بندا ہوں درباری

(۶)

دریا میں تھے جو نکلے بھارائے نگار موتی — سکھ پائے دیکھ تیرا مکھ آب دار موتی

جو لگ تھے جوہریاں کن تھے بقرار تو لگ — تج دھن کے تن چڑے جیوں کر قرار موتی

خاطر میں کس رتن کوں لیائے نیں آج ہرگز — تج گل مری کے بالے ہیں قرب دار موتی

تاریاں سوں چاند کہن کا بیٹسکہ ہو کے دیوانہ — چھندنے میں جیوں توں نکلے سب تن سنوار موتی

توں جھاڑ ہے سوتے کی حیراں ہوا ہوں یاں میں کیوں جھاڑ کوں سنے کے آئے ہیں بار موتی
ہے مست توں مدن کی استیھج تج سینے پر جھلتے ہیں بے خبر ہوئیں کوئی ہشیار موتی
کندن کے گرڈکتے سو جوبن ہے عین تیرے ہور اس پاس انن کے ہے جیوں حصار موتی
مکھ چاند دیکھ تیرا ہر دم کریں دعا تج جالی میں جو ہیں تیری تاریاں کے سار موتی
غیراز ترے ادھر میں بھی کیں توں نہ دیکھیا یاقوت میں تھے جھڑتے یوں بے شمار موتی
ہر ایک ادھر پہ تیرے قربان لال سو سو ہر ایک دسن پہ تیرے صدقے ہزار موتی
تج بے نظیر دھن کے شاکر جڑت کے نگ سوں ہور تج اتم رتن کے ہیں شرمسار موتی
تج قد کے ڈال کی جب کرتا ہوں میں صفت تو جیوں پھول پھل ہو دیں خوش بے اختیار موتی
ہاراں ہو تج گلے کے دھر پیار تج اپر خوش لیتے ہیں پیار تیرا لیل و نہار موتی
تج نور سوں مشرف جب تھے ہوئے ہیں تب تھے گزرانتے ہیں اپنا خوش روزگار موتی
محبوب بے بدل توں قطب جہاں کی ہے کر کہتے ہیں کان میں آ میرے پکار موتی
قائم یو جوڑا چھو کر دائم منگیں خدا کن شکرانے کا دگانہ ہر دم گزار موتی
دے حسن تجکوں اگلا ساریاں تھے آج پیدا تیرے بدل کیا ہے پروردگار موتی
کرتے ترا سنگاتی سلطان عبداللہ جو شاہاں کے تاج پر کا ہے شاہوار موتی
باذوق میں غواصی اس شہ کے دور میں خوش لیاتا ہوں کاڑھ دل کے دریا کے بھار موتی
من اپنا منگے تیوں بھر جیو کے طبق میں کرتا ہوں روز اس کے قد پر نثار موتی
چند سور کے گلے کی کنٹھال جسے کہتے ہیں سو ہیں ہرے بچن کے جوتی ہنوار موتی

دولت علی ولی کی جو لگ دریا ہے تو لگ
شہ کوں اچھو مبارک یو یادگار موتی

رُباعیاں

بن دام توں اے یار کسی ہاٹ نہ جا بن بیر پرت باٹ کدھن واٹ نہ جا
جے باٹ جو سیدی نیں معشوق طرف سنتا ہے مری بات تو اس باٹ نہ جا

پتلی کوں تری نانو جو پر جیس رکھیا مہتاب مرے پا نو پہ آ سیس رکھیا
اس ناز بھری آنک کے سنگار بدل مرے کے نمن جیو کوں ہیں بیس دکھیا

اے بیو جیبھی بات ہے تج سات بغیر کس دھیر کہیا جائے نہ دو رات بغیر
کچ بست رکھے ہوں تیرے تیں گھڑی باند آکھول لے کھل سے نہ دو تج ہات بغیر

اے عقل تجھے رفیق دانا ہونا اے عشق تجے یار دیوانا ہونا
میں مست ہوں دن رات منجے جام ہو گے محبوب ہور ترا نہ ہونا

دو ناز بھری آنک مرے جاناں کی سد چھین لیتی چھن میں مسلماناں کی
اس گال پہ جو بال بکھر پڑتے ہیں گویا ہے جماعت دو پریشاناں کی

میں باج گنہ کام بھی کچ کرسوں نا صحبت بغیراز جام کسوں دھرسوں نا
دوزخ تھے ڈراتے ہیں منجے لوگاں آج غفار توی سر پہ ہے میں ڈرسوں نا

دیکھ عام یو دنیا کہے منزل سو ہیچ یا خاص سو عقبیٰ کہے حاصل سو ہیچ
حیران ہوں مولا کی طلب میں پوڑا عاشق سو کہے سب تھے ہے مشکل سو ہیچ

غوّاص توں حق باج کسے منگ نکو گر ہے توں موحد تو کسوں سنگ نکو
مارگ میں محبت کے ہیں کانٹے کانٹے کانٹیاں پہ چلیا نیٹ سوں جالنگ نکو

اے دل جو یو دنیا ہے گذرتے گذری ہوئی کدھیں خالی کدھیں بھرتے گذری
سودا ہے سرہیں مول نہ کر آج درنگ ہے بیگ سرنہار یو سرتے گذری

ہشیار کدھیں نا ہووے مستی میری مے سات رنگی گی ہے تو ہستی میری
جیوں چاند ہور آفتاب عالم میں مشہور ہے آج مے پرستی میری

عاشق کوں اہانت نہ کر اندیش کوں دیکھ باطن میں جیوں شیر نہ اس میش کوں دیکھ
جس ہات پکڑ عشق سر افراز کیا سلطان کر اس جان نہ درویش کوں دیکھ

مکھ آج جو اس ظلّ خدا کا دیکھا داب اس کی بزرگی کی ادا کا دیکھا
کوئی چھانوں نبیؐ کا نہ دیکھا آج تلک صد شکر کہ میں چھانوں خدا کا دیکھا

کتابیات

احسن مارہروی۔ کلیات ولی۔ انجمن ترقی اُردو۔ اورنگ آباد۔ ۱۹۲۷ء۔
آزاد، محمد حسین۔ آبِ حیات۔ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا۔ ۱۹۷۲ء۔
اعجاز حسین (ڈاکٹر)۔ مذہب و شاعری۔ اردو اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۵۵ء
جمیل جالبی (ڈاکٹر)۔ تاریخ ادب اردو جلد اول مجلس ترقی ادب لاہور۔ ۱۹۷۵ء۔
" " " ۔ دیوان حسن شوقی۔ انجمن ترقی اُردو لاہور۔ ۱۹۷۱ء۔
حفیظ قتیل (ڈاکٹر)۔ دیوان ہاشمی۔ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد۔ ۱۹۶۱ء
خان رشید (پروفیسر)۔ اردو کی تین مثنویاں۔ چمن بکڈپو۔ دہلی ۱۹۶۰ء۔
رفیعہ سلطانہ (پروفیسر)۔ اُردو زبان کا آغاز و ارتقاء۔ سیاست پریس حیدر آباد۔
رفیق حسن (ڈاکٹر)۔ سحر البیان (مرتبہ) رام لعل پریس الہ آباد۔ ۱۹۶۰ء
زورؔ، محی الدین قادری (ڈاکٹر)۔ اُردو شہ پارے حیدر آباد۔ ۱۹۲۹ء
" " " ۔ دکنی ادب کی تاریخ مٹرو پریس دہلی۔ ۱۹۵۰ء
" " " ۔ کلیات غواصی۔ نیشنل پریس حیدر آباد۔ ۱۹۵۹ء
" " " ۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ۔ سلسلہ یوسفیہ حیدر آباد۔ ۱۹۴۰ء
سحرؔ، ابو محمد (ڈاکٹر)۔ اردو میں قصیدہ نگاری۔ صفدر پریس لکھنؤ۔ ۱۹۵۸ء

سروری، عبدالقادر (پروفیسر) اُردو مثنوی کا ارتقاء۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڑھ۔ ۱۹۷۵ء

" " " کلیاتِ سراج۔ سلسلۂ یوسفیہ حیدرآباد۔ ۱۹۴۰ء

" " " پھول بن۔ سلسلۂ یوسفیہ حیدرآباد۔ ۱۳۵۷ھ

" " " اُردو کی ادبی تاریخ۔ نیشنل پریس حیدرآباد ۱۹۵۸ء

سعادت علی رضوی، میر۔ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ سلسلۂ یوسفیہ حیدرآباد۔ ۱۳۵۷ھ

" " " " طوطی نامہ " " " "

سکسینہ، رام بابو۔ تاریخ ادب اُردو۔ نول کشور پریس لکھنؤ۔ ۱۹۶۹ء

سیّد محمد (پروفیسر)۔ دیوان عبداللہ قطب شاہ۔ سلسلہ یوسفیہ حیدرآباد۔

سیّدہ جعفر۔ دکنی رباعیاں۔ ساہتیہ اکیڈمی۔ حیدرآباد۔ ۱۹۶۶ء

شارب ردولوی (ڈاکٹر) مطالعہ ولی۔ اعلیٰ پریس دہلی۔ ۱۹۷۲ء

عبدالمجید صدیقی (پروفیسر)۔ تاریخ گولکنڈہ۔ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد۔ ۱۹۶۴ء

" " " علی نامہ۔ سالار جنگ پبلشنگ کمیٹی حیدرآباد۔ ۱۹۵۹ء

عبدالحق۔ قطب مشتری۔ انجمن ترقی اردو دہلی۔ ۱۹۳۹ء

عشرت، امرت لعل۔ کلیات سودا۔ رام نرائن بینی پریس ۱۹۷۱ء

غلام عمر خاں (ڈاکٹر)۔ میناستونتی۔ شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (قدیم اُردو جلد اول) ۱۹۶۵ء

" " " لیلیٰ مجنوں " " " " (" جلد دوم) ۱۹۶۷ء

مسعود حسین خاں (ڈاکٹر) پرت نامہ۔ شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (قدیم اردو جلد اول) ۱۹۶۵ء

محمود شیرانی (پروفیسر) پنجاب میں اُردو۔ نسیم بکڈپو۔ لکھنؤ۔ ۱۹۷۵ء۔

محمد بن عمر (پروفیسر) کلیاتِ غواصی ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔ ۱۹۵۹ء

نصیرالدین ہاشمی۔ دکن میں اردو۔ نسیم بکڈپو لکھنؤ۔ ۱۹۶۳ء

اورینٹل کالج میگزین۔ سخاوت مرزا۔ ملک الشعراء غواصی اور اسکا کلام نومبر ۱۹۵۶ء

سب رس، ماہنامہ حیدرآباد۔ ڈاکٹر جمال شریف۔ غواصی کا نام۔ جنوری ۱۹۶۸ء

〃 〃 〃 ضیاء الدین احمد شکیب۔ محمد قلی کی غزل۔ اپریل ۱۹۶۵ء

〃 〃 〃 محمد علی اثر۔ محمد قلی ایک جائزہ۔ جنوری ۱۹۷۵ء

دیوان غواصی (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد، مخطوطہ نمبر ۱۰۳۷

مشکوٰۃ النبوت (قلمی) اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد مخطوطہ نمبر ۱۹۴

شجرہ مملوکہ و خاندانی حضرت سید شاہ حیدر نور اللہ (پیر پاشاہ) سجادہ نشین سید کریم اللہ قادری بن حیدر ولی اللہ۔ کاروان ساہو۔ حیدرآباد۔

شجرہ کلاں مملوکہ مولوی سید فریدالدین سجادہ درگاہ حضرت شاہ لگن۔ حیدرآباد۔

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸	۱۹	اواکل	اوائل
۲۳	۸	متوفی سنہ ۱۵۹۴ء	متوفی سنہ ۱۵۶۴ء
۳۹	۱	ہوسے ہیں	ہوئے ہیں ۔
۷۱	۹	مطلوب رے	مطلوب وے
۹۴	۱۰	زنگن	زنگن
۹۴	۲۱	گواہ	گوہ
۹۵	۱	پینے سخت	مینے سخت
۹۵	۱۱	لکھ پہ تاپ	لکھ پہ تاب
۹۶	۱۰	نہ پاں	نہ یاں
۱۰۱	۹	لیا کارا	لیا کاڑ
۱۰۸	۱۴	ساٹلی	سانولی
۱۰۹	۹	محمودن	محمودسن
۱۱۲	۱۹	بیٹیوں	بیسیئوں
۱۲۶	۲۰	لمول غم	طول غم
۱۲۶	۱۱	لو	یو
۱۳۶	۱۷	مجھے ارزوے	مجھے آرزوے
۱۴۴	۶	یو دنیا سے	یو دنیا ہے
۱۴۸	۸	گیا	لیا



محمد علی اثرؔ